"تمہارے اور دوسرے اہل قبلہ کے درمیان لڑائی کا آغاز ہو گیا ہے۔ ایسے میں رہنمائی کا پرچم وہی اٹھا سکتا ہے جو بصیرت رکھنے والا، صبر و استقامت والا اور حقائق سے واقف ہو" ۔ نہج البلاغہ، خطبہ 172

پاکستان میں فرقہ واریت کا تاریخی جائزہ

ڈاکٹر حمزہ ابراہیم

منصور حیدر راجہ

"تمہارے اور دوسرے اہل قبلہ کے درمیان لڑائی کا آغاز ہو گیا ہے۔ ایسے میں رہنمائی کا پرچم وہی اٹھا سکتا ہے جو بصیرت رکھنے والا، صبر واستقامت والا اور حقائق سے واقف ہو"۔ نہج البلاغہ، خطبہ 172

پاکستان میں فرقہ واریت کا تاریخی جائزہ

ڈاکٹر حمزہ ابراہیم

فہرست

فرقہ واریت پاکستان کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔در حقیقت یہ کئی مسائل کی جڑ ہے۔پاکستان میں فرقہ واریت کی وجہ سے ہزاروں لوگ قتل اور لاکھوں زخمی ہوئے ہیں۔انکے لواحقین صدمے کی وجہ سے ذہنی مریض بن گئے ہیں۔ اسی کے بطن سے دہشتگردی کا جنم ہوا ہے۔نہ صرف یہ کہ ہمارے بجٹ کا بڑا حصہ کالعدم تنظیموں کی روک تھام اور دہشتگردی کے خلاف جنگ پر صرف ہوا ہے، بلکہ فرقہ واریت نے نوجوان نسل کے ذہن بگاڑ کر معاشی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔پاکستان میں صنعتی اور علمی ترقی کے بجائے قیمتی انسانی سرمایہ فرقہ واریت میں صرف ہوا ہے۔آج پاکستان خوردنی تیل اور پنیر بھی باہر سے برآمد کرتا ہے۔آبادی تو خوب بڑھی ہے مگر ہم زندگی کے لیے درکار خوراک، دوائیں اور مشینری پیدا نہیں کر سکے۔پاکستان کے ساتھ ترقی کا سفر شروع کرنے والے جنوبی کوریا جیسے ممالک ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں لیکن پاکستان میں غربت، بیماریوں، جرائم اور گندگی میں اضافہ ہوا ہے۔کئی اعلی تعلیم یافتہ افراد اسی نا امنی کی وجہ سے مایوس ہو کر ملک چھوڑ چکے ہیں۔

دنیا میں کوئی بھی واقعہ یکدم رونما نہیں ہوتا بلکہ اسکا تعلق ماضی کے واقعات یعنی تاریخ سے ہوتا ہے۔بقول قابل اجمیری:۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں

حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

وادئ سندھ میں فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی یہاں اسلام کی تاریخ، یہاں سب سے پہلا شیعہ کشی کا واقعہ عباسی خلیفہ منصور دوانیقی کے لشکر کے ہاتھوں امام حسنؑ کے پڑپوتے حضرت عبد اللہ شاہ غازیؒ اور انکے چار سو ساتھیوں کا قتل تھا۔تاریخ طبری کے مطابق یہ واقعہ 768ء (151 ہجری) میں پیش آیا۔البتہ سولہویں صدی عیسوی میں مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد فرقہ وارانہ تشدد میں کافی کمی آئی کیونکہ مغل شہنشاہ صلح کل کے سیکولر طرز حکومت کے داعی تھے۔جس زمانے میں سلطنت عثمانیہ لبنان سے ترکی تک شیعوں کا خون بہا رہی تھی اور سلطنت صفویہ بغداد اور آذربائیجان میں سنیوں کو تلوار کے زور پر مسلک بدلنے پر مجبور کر رہی تھی اور یورپ میں مسیحی فرقوں میں خونریز جنگ ہو رہی تھی،اس وقت برصغیر میں مغل شہنشاہ اکبر اعظمؒ نے فتح پور سکری میں ہونے والے بین المذاہب مکالمے کے بعد سیکولرازم پر مبنی حکمت عملی ترتیب دی جس کو صلح کل کا نام دیا گیا اور اس کے نتیجے میں سب فرقوں اور مذاہب کو آزادی ملی۔اگرچہ نوجوانی میں اکبرؒ نے شیخ عبد النبی جیسے متعصب سنی علماء کے مشورے پر شیعوں کو عتاب کا نشانہ بنایا تھا۔ صلح کل کی حکمت عملی ہی کی وجہ سے ہندو اکثریت کی بغاوتوں نے دم توڑ دیا۔البتہ اکبرؒ کے اس فیصلے نے تنگ نظر علماء کو اس کے خلاف کر دیا اور انہوں نے قندھار کے شدت پسند قبائل کی مدد سے اکبرؒ کے خلاف بغاوت کی کوشش کی جو ناکام

بنا دی گئی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اکبر اعظمؒ کے طرز حکومت کے بارے میں یورپی سیاحوں کی کتب میں لکھے مواد نے ہی مغرب میں سیکولرازم کی بنیاد فراہم کی۔

اس زمانے میں کئی شیعہ مخالف کتب پھیلی ہوئی تھیں۔ 1548ء میں ایران کے شہر مشہد پر ازبکستان سے عبداللہ خان ازبک نے حملہ کیا اور شیعوں کا قتل عام کیا۔ شیخ احمد سرہندی نامی متعصب سنی عالم (مجدد الف ثانی) نے اس قتل عام کی وکالت کرتے ہوئے **"رد روافض"** کے عنوان سے رسالہ لکھا۔ البتہ اکبر اعظمؒ کی انصاف پر مبنی حکومت نے شیعہ علماٗ کو اس پروپیگنڈے کا جواب دینے کی آزادی دی، اور قاضی نوراللہ شوستریؒ اور ملا احمد ٹھٹھویؒ جیسے علماٗ نے اپنا موقف صراحت سے پیش کیا۔ اس سلسلے میں قاضی نوراللہ شوستریؒ کی کتاب **"احقاق الحق"** کو بہت پذیرائی ملی۔ جب ملا احمد ٹھٹھویؒ کو لاہور میں شہید کیا گیا تو ان کے قاتل کو گرفتار کر کے سزائے موت دی گئی۔ اکبرؒ کے بعد جہانگیر اور شاہجہاں بھی صلح کل کی حکمت عملی پر کاربند رہے۔ جہانگیر نے شروع میں شیعہ رہنما قاضی نوراللہ شوستریؒ اور سکھوں کے پانچویں گرو، ارجن سنگھ جی کو قتل کیا، لیکن ان فیصلوں کی وجوہات مذہبی سے زیادہ سیاسی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اس غلطی نے مسلمانوں اور سکھوں میں دوریاں پیدا کیں۔ بعد ازاں جہانگیر نے اکبرؒ کے طرز حکومت کو اپنا لیا اور اس کے دور میں حکومت کی طرف سے شہریوں کے خلاف مذہبی بنیادوں پر کسی متعصبانہ کاروائی کا سراغ نہیں ملتا، الٹا جہانگیر نے شیخ احمد سرہندی کو نفرت انگیزی کے جواب میں ایک سال قید کی سزا دی[1]۔

البتہ مغل دور میں بھی کوہ ہمالیہ کے دامن میں کشمیر اور گلگت بلتستان کا علاقہ فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہوتا رہا ہے۔ کشمیر کے معروف سنی مؤرخ پیر غلام حسن کو یہامی کی کتاب **"تاریخ حسن"** کی پہلی جلد میں **"تاراج شیعہ"** کے عنوان سے ایک پورا باب موجود ہے جس میں 1548ء، 1586ء، 1635ء، 1686ء، 1719ء، 1741ء، 1762ء، 1801ء، 1830ء اور 1872ء کے سالوں میں شیعہ کشی کی مہمات کا تفصیل سے ذکر موجود ہے جن میں نہ صرف انھیں قتل کیا گیا بلکہ ان کے اعضاء کاٹے، عصمتیں لوٹی اور مردوں کو قبر سے نکال کر جلایا گیا۔ ان مہمات کے نتیجے میں کشمیری شیعہ عوام اور علماٗ شمالی ہندوستان اور وادیٔ سندھ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوتے رہے۔ متعدد شیعہ دیہات اور کتب خانے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ کئی کشمیری سادات تقیہ پر مجبور ہوئے۔

برصغیر میں فرقہ وارانہ تشدد کو نئی زندگی اس وقت ملی جب شاہ جہاں کے بعد اورنگزیب عالمگیر نے اپنے دور حکومت (1658ء۔1707ء) میں صلح کل کو ترک کر کے مذہبی استبداد کو اپنایا۔ اس کا پہلا نتیجہ گجرات میں شیواجی بھوسلے کی قیادت میں ہندو قوم پرست مرہٹہ ریاست کے قیام کی شکل میں نکلا۔ اورنگزیب کے زمانے کی سرکاری دستاویزات شیعہ مسلک کے خلاف نفرت سے بھری ہوئی ہیں۔ اورنگزیب کے زمانے میں ہی تینتیس جلدوں پر مشتمل فقہی احکام کا مجموعہ بعنوان **"فتاویٰ عالمگیری"** مرتب کیا گیا جس میں شیعہ عقیدے کو گمراہانہ بتایا گیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں سرکاری طور پر شیعوں سے امتیازی سلوک کیا جاتا اور شیعہ مسلک کی توہین کی جاتی تھی۔ اورنگزیب نے بوہری

اسماعیلیوں کے داعی ءمطلق سیدنا قطب الدین اور سکھوں کے گرو تیغ بہادر جی کو عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے قتل کیا۔ اورنگزیب کے مذہبی استبداد کے جواب میں سکھ گرو گوبند سنگھ جی نے **سکھ خالصہ** کو قائم کیا اور سکھوں اور مسلمانوں میں مسلح جنگوں کا آغاز ہوا۔ دوسری طرف اورنگزیب نے ستائیس سال مسلسل حملے کر کے دکن سے شیعہ اقتدار کا خاتمہ کیا، اس طویل جنگ پر مغل سلطنت کا کثیر سرمایہ ضائع ہوا۔ اگرچہ اورنگزیب کے دور میں بہت سے سرکاری عہدیدار شیعہ تھے لیکن اکثر کا شیعہ ہونا ان کے نکاح یا انکی وفات اور تدفین کے طریقے سے ہی ثابت ہوتا ہے ۔شیعہ مسلمانوں کو برابری کے حقوق کے حصول کیلئے اپنا مسلک چھپانا (تقیہ کرنا) پڑتا تھا۔ بادشاہ کی شیعہ مسلک سے نفرت نے تنگ نظر علماٗ کی حوصلہ افزائی کی جس کا خمیازہ ہندوستان کو بھگتنا پڑا۔ اورنگزیب عالمگیر کی حکومت کے زمانے میں ہی وادئ کرم میں ترک نسل کے طوری شیعہ قبائل کی آمد ہوئی جنکی تبلیغ کی وجہ سے بہت سے مقامی بنگش اور اورکزئی پختون شیعہ اسلام کی طرف مائل ہوئے۔

اس کتابچے میں حالیہ فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ کو دس ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا دور: امراء کی سرد جنگ

اٹھارویں صدی عیسوی جہاں مغل سلطنت کے مغرب میں افغان حملہ آوروں اور مشرق و جنوب میں انگریزوں کے سامنے عسکری کمزوری دکھانے سے عبارت ہے، وہیں دہلی میں شیعہ اور سنی امراء کے بیچ سرد جنگ اس سلطنت کے زوال کا دوسرا اہم عامل ہے۔ مغل سلطنت میں بادشاہ کی موت کے بعد وہی شہزادہ تخت نشین ہوتا تھا جس کے ساتھ زیادہ امراء شامل ہو جاتے کیوں کہ مغل فوج دراصل کوئی قومی فوج نہ تھی بلکہ ہر جنگ میں امراء اپنے لشکر فراہم کیا کرتے تھے۔ 1707ء میں اورنگزیب کی وفات کے بعد شیعہ امراء نے طاقت کے کھیل میں کردار ادا کرنا چاہا تو سنی امراء نے سیاسی رسہ کشی کو مسلکی رنگ دیا تاکہ اپنے حریفوں کو اقلیت تک محدود کر کے کمزور کر سکیں۔ سید برادران اور نظام الملک میں رسہ کشی طاقت اور نفوذ کی جنگ تھی۔ اب بھی بہت سے اداروں میں میرٹ کے بجائے مسلک کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ اگر کہیں شیعوں کو انصاف مہیا ہونے لگے، یا ان کا کوئی قاتل پکڑا جائے، تو کچھ لوگ اسے شیعہ اثر و نفوذ میں اضافے کا نام دیتے ہیں۔ آصف زرداری شیعہ ہونے کے باوجود اپنے دور صدارت میں کیمرے کیلئے ہاتھ باندھ کر نماز عید پڑھتے ہیں۔ اگرچہ شیعہ امراء کو شیعہ عوام کے مسائل سے کوئی غرض نہ تھی، لیکن مسلکی بنیادوں پر شیعہ امراء کو نشانہ بنانے کی کوششوں نے شیعہ عوام کی زندگی کو بھی متاثر کیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی شکست وریخت کے زمانے میں دہلی میں جامعہ رحیمیہ کے گدی نشین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1703ء۔1762ء) نے دہلی کے اہلسنت میں بہت مقام پیدا کیا۔ شاہ ولی اللہ 1731ء میں حج کرنے گئے اور دس سال وہاں گزار کر شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک جس کو عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے، کے اثرات اپنے ساتھ لائے۔ آپ نے شیخ احمد سرہندی کی کتاب "رد روافض" کا عربی میں ترجمہ بعنوان **"المقدمة الثانيه فى الانتصار للفرقة السنيه"** کیا۔ 1739ء میں ایران میں مغل دوست صفوی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ایران کے نئے ترک نژاد سنی بادشاہ "نادر شاہ افشار" نے ایران کے معاشی بحران پر قابو پانے کیلئے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی کو لوٹ مار اور قتل عام کا سامنا کرنا پڑا۔ اس قتل عام میں اس کے افغان سالار "احمد شاہ ابدالی" نے خون کے دریا بہا دیئے۔

ایران میں نادر شاہ نے صفویوں کے دور میں شروع کی گئی تبرا کی رسم پر پابندی لگائی۔ صفویوں کے حریف عثمانیوں نے خود کو خلیفہ قرار دے رکھا تھا۔ صفویوں نے اپنی افواج کی وفاداری کو یقینی بنانے کیلئے خلفائے ثلاثہؓ پر لعنت کرنے کا رواج نکالا تاکہ عثمانی سلطنت کی مذہبی جواز پیدا کرنے کی کوشش کا مقابلہ کیا جائے۔ شیعہ مسلک میں تبرا کا مطلب اپنے وقت کے ظالموں کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔ صفوی اور عثمانی دونوں ظالم تھے۔ صفویوں نے درباری شیعہ علمائ کی مدد سے تبرا

کا رخ خلفائے ثلاثہؓ کی طرف موڑ دیا اور اس طرح ایک تیر سے دو شکار کئے۔ اس حرکت نے شیعہ اور سنی عوام کے تعلقات پر بھی برا اثر ڈالا اور نادر شاہ کی طرف سے اس رسم بد کا خاتمہ ایک نہایت قابل ستائش فیصلہ ہے۔

1747ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کے افغان دستے کے سربراہ احمد شاہ ابدالی نے افغانستان نامی ایک غیر فطری ملک کی بنیاد رکھی۔ تاریخی طور پر کابل و قندھار وادئ سندھ (موجودہ پاکستان) کا حصہ ہوتے تھے اور فارسی زبان والے علاقے ایران کی حکومت کا حصہ ہوتے تھے۔ 1747ء میں احمد شاہ ابدالی نے دوبارہ دہلی پر حملہ کرنا چاہا تو اس کو سرہند کے مقام پر مغل سلطنت کی طرف سے اودھ کے شیعہ نواب صفدر جنگ نے شکست دی۔ اس کے نتیجے میں صفدر جنگ کے مرتبے اور عزت میں اضافہ ہوا تو دہلی میں اس کے خلاف سنی امراء کی سازشیں عروج پر پہنچ گئیں اور 1753ء میں اس کو دہلی چھوڑ کر اودھ جانا پڑا۔ اس ماحول میں سنی امراء کے تنخواہ دار شاہ ولی اللہ نے شیعہ امراء کے خلاف مہم چلانے کیلئے اپنے خوابوں کو بنیاد بنا کر اہل تشیع کے خلاف **"فیوض الحرمین"**، **"قراۃ العینین"**، **"ازالۃ الخفا"** اور **"حجۃ اللہ البالغہ"** جیسی کتابوں میں تنقید کی۔ اپنے ایک خواب کی بنیاد پر دعویٰ کیا کہ پہلے دو خلفا کا نور رسول اللہؐ کے نور سے ملا ہوا ہے، وہی بات جو شیعہ قرآن کی آیت مباہلہ اور احادیث کی بنیاد پر حضرت علیؑ کیلئے کہتے تھے۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ رسول اللہؐ نے ان کو خواب میں آ کر بتایا کہ شیعہ گمراہ ہیں۔ البتہ انہوں نے شیعوں کی تکفیر سے پہلو بچایا۔ شاہ ولی اللہ نے بادشاہ اور سنی اشراف کو خط لکھا، جس میں کہا:۔

"تمام اسلامی شہروں میں سختی سے احکامات جاری کیے جائیں، جس میں رسوم کفر جیسے ہولی اور گنگا اشنان کی عوامی مقامات پہ ادائیگی ممنوع قرار دی جائے۔ دس محرم کو روافض کو اعتدال سے آگے نہ گزرنے دیا جائے، نہ ہی ان کو گلیوں اور بازاروں میں بے ادبی اور احمقانہ اقدامات کی اجازت دی جائے"[1]۔

تصویر۔1: مرشد آباد میں برصغیر کی سب سے بڑی امام بارگاہ، "نظامت امام باڑہ"، جس کی بنیاد نواب سراج الدولہؒ نے رکھی۔

مرشد آباد میں موجود برصغیر کی سب سے بڑی امام بارگاہ، **"نظامت امام باڑہ"** کی بنیاد نواب سراج الدولہؒ نے رکھی تھی۔ سراج الدولہؒ نے انگریزوں سے جنگ کی لیکن ان کا مسلک شیعہ ہونے کی وجہ سے انھیں شاہ ولی اللہ کی طرف سے وہ حمایت نہ ملی جو احمد شاہ ابدالی جیسے بدیسی لٹیرے کو میسر رہی۔ یہی مسئلہ میر قاسم اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ کو درپیش تھا، انھیں بھی بکسر کے میدان میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں دہلی کے سنی امراء یا شاہ ولی اللہ کی طرف سے کوئی حمایت نہ ملی۔

احمد شاہ ابدالی نے کل سات حملے کئے جن میں سے چوتھے اور پانچویں حملے میں دہلی پہنچا۔ دہلی پر 1757ء کے حملے میں افغانوں نے منظم انداز میں شہر کو لوٹا، شہر کے محلوں میں الگ الگ ٹولیاں بھیجی گئیں جنہوں نے نہ صرف گھروں کا سامان لوٹا بلکہ فرش اکھاڑ کر بھی تلاشی لی تاکہ کسی کا چھپایا گیا زیور باقی نہ رہ جائے۔ بے شمار ہندو خواتین کی عصمت لوٹی گئی۔ اس مجرمانہ غارت گری کے باوجود دو سال بعد شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو دوبارہ دعوت دی اور اس مرتبہ اس نے دہلی کے شیعہ خصوصی طور پر قتل اور شہر بدر کئے، شاہ ولی اللہ کے بیٹے کے بقول انہوں نے ایک سال پہلے اس کو بتایا تھا کہ اگلے سال دہلی میں ایک بھی شیعہ باقی نہیں بچے گا[2]۔

اسکی افواج نے لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا کہ ہندوستان کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ احمد شاہ ابدالی نے حسن و جمال میں معروف ایک انیس سالہ مغل شہزادی "حضرت بیگم" کو اسکی مرضی کے خلاف اپنی بیوی بنایا اور قندھار لے گیا، جہاں وہ دو سال ذہنی اذیت کے بعد انتقال کر گئی۔ اس نے صوبہ ملتان، صوبہ لاہور اور کشمیر کو افغانستان کی کالونی بنا لیا۔ افغان فوج نے کشمیر میں شیعوں کا قتل عام کیا اور میر شمس الدین عراقیؒ کی درگاہ کو تباہ کیا۔ افغانستان ایک سنگلاخ ملک ہے، لہٰذا پنجاب و سندھ کی زراعت اور مویشی شروع سے افغانستان کو اس علاقے کا دشمن بنائے ہوئے ہیں۔ پنجابی زبان کے عظیم صوفی شاعر وارث شاہؒ نے احمد شاہ ابدالی کی لوٹ مار کے بارے میں کہا:۔

کھادا پیتا وادے دا

باقی احمد شاہے دا

یعنی کسان کے مال و اسباب میں اسکا حصہ وہی ہے جو وہ استعمال کر لے ورنہ باقی تو احمد شاہ ابدالی جیسے لٹیرے لے جائیں گے۔ اس دوران مغل بادشاہ عالمگیر دوم کو اسکے سنی وزیر امداد الملک نے قتل کر دیا اور ایک اور شہزادے شاہجہاں سوم کو مسند شاہی پر بٹھا دیا۔ افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے دہلی میں امداد الملک کو مختار کل بنایا اور نجیب الدولہ کو دہلی اور اودھ کے درمیان روہیل کھنڈ میں افغانوں کی حکومت بنا دی۔ یہاں سے بھی اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ شاہ ولی اللہ کی طرف سے احمد شاہ ابدالی کو دعوت کا مقصد سنی امراء کے مفادات کا تحفظ تھا تاکہ دہلی اور اودھ کے بیچ فاصلہ پیدا کیا

جائے۔ مرہٹوں نے احمد شاہ ابدالی کے خلاف اودھ کے شیعہ نواب شجاع الدولہ کو اتحاد کی دعوت دی لیکن نواب نے ہم مذہب احمد شاہ ابدالی سے اتحاد کرنے کو مصلحت کے قریب جانا۔ آگے آنے والی تفصیلات میں معلوم ہو گا کہ شیعہ ایسی غلطیاں بار بار دہراتے رہے ہیں۔ 1761ء میں اودھ کے شیعہ نواب شجاع الدولہ (صفدر جنگ کے بیٹے)، روہیل کھنڈ کے نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کی مشترکہ افواج نے مرہٹوں کو پانی پت میں شکست دے دی، نجیب الدولہ نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ 1762ء میں شاہ ولی اللہ انتقال فرما گئے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں دنیا میں دو نہایت اہم واقعات ہوئے جنہوں نے انسان کی تاریخ کا رخ ہمیشہ کیلئے بدل دیا۔ پہلا اہم واقعہ امریکہ کا برطانوی سامراج سے جنگ کے بعد آزادی حاصل کرنا تھا (1775ء۔1783ء)، جس کا اچھی طرح مطالعہ کیا جاتا تو ہندوستان انگریزوں کی غلامی میں جانے سے بچ سکتا تھا۔ امریکہ کو آزاد کروانے کے بعد جارج واشنگٹن نے امریکہ کا شہنشاہ بننے کے بجائے ایک جمہوری آئین دیا، اور یہ شق رکھی کہ کوئی بھی شخص صرف دو بار ہی امریکہ کا صدر منتخب ہو سکتا ہے۔ امریکہ کا اعلان آزادی انسانی معاشرے کے بارے میں نئی سوچ کا عکاس تھا۔ دوسرا اہم واقعہ فرانس کا انقلاب تھا (1789ء۔1799ء)، جس نے مغربی دنیا میں جدید ریاستوں کی داغ بیل ڈالی۔ اسی دوران مغرب میں انجن ایجاد ہو چکا تھا۔ دہلی میں بیٹھے علماء کو ان واقعات کے بارے میں کوئی خواب بھی نہ آیا، کیونکہ انسان خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے جن کے بارے میں وہ سال بھر سوچتا ہے۔ انسان کا ذہن حالت خواب میں انہی معلومات ،عقائد اور خواہشات کو گڈمڈ کر کے پیش کرتا ہے جو پہلے سے لاشعور میں پڑی ہوں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزندان کے فرقہ وارانہ خواب انکی منفی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

دوسرا دور: شاہ عبدالعزیز اور تحفہ اثنا عشریہ

شاہ ولی اللہ کے بعد آنے والے دور میں شیعہ مخالف تشدد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ہر دور پچھلے دور سے بڑھ کر تھا۔ 1770ء میں نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد مرہٹوں نے اس کے بیٹے ضابطہ خان کے قبضے سے دہلی آزاد کرایا اور شاہ عالم ثانی کے حوالے کیا۔ 1772ء میں احمد شاہ ابدالی کا انتقال ہوا اور افغان سلطنت داخلی شورش کا شکار ہو گئی۔ ادھر پنجاب میں سکھوں نے ٹولیوں کی شکل میں افغان لٹیروں کے خلاف مزاحمت شروع کی اور پنجاب میں انارکی پھیل گئی۔ سکھوں کی جو ٹولی جس علاقے میں افغانوں کو بھگانے میں کامیاب ہو جاتی، وہاں اپناڈا کو راج قائم کرتی۔ شاہ عالم ثانی نے شیعہ سردار نجف خان کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ نجف خان نے سکھوں کے مقابلے میں دہلی کا کامیابی سے دفاع کیا۔ 1782ء میں نجف خان کا انتقال ہو گیا۔ 1787ء میں ضابطہ خان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے دہلی پر حملہ کر کے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ وہ ایک ذہنی مریض تھا، اس نے شاہ عالم ثانی کی آنکھوں میں سوئی مار کر اندھا کر دیا اور مغل شہزادیوں سے زنا بالجبر کرنے کے بعد ننگا کر کے کوڑے لگائے۔ کئی خوبصورت مغل شہزادیاں قید میں بھوکی رکھ کر ماری گئیں اور شہزادے اور ان کے بچے بری طرح پیٹے گئے [3]۔ مرہٹے دوبارہ شاہ عالم ثانی کی کمک کو پہنچے اور دو سال بعد دہلی دوبارہ شاہ عالم کے قبضے میں چلا گیا، غلام قادر روہیلہ کی آنکھیں بھی نکالی گئیں اور اس کو قابل نفرت طریقے سے مارا گیا۔ احمد شاہ ابدالی اور شاہ ولی اللہ کی برکت سے پنجاب میں قانون اور ریاست کا ڈھانچہ تباہ ہو چکا تھا۔ پنجاب کو سکھ کا سانس تب نصیب ہوا جب رنجیت سنگھ نے پنجاب کو ایک ریاست کے نیچے منظم کیا اور سکھ سلطنت (1799ء–1849ء) قائم کی۔ میسور کے صوفی مشرب سنی نواب حیدر علی اور ان کے بیٹے فتح علی ٹیپو بھی دہلی کی طرف سے کسی قسم کے حمایتی فتوے سے محروم رہے۔ انہوں نے ریاست میسور میں ایران کے شہر شیراز سے شیعہ علماء اور تاجروں کو آکر شیعیت متعارف کروانے کا موقعہ دیا تھا اور وہ بھی برصغیر کے کثیر الثقافتی معاشرے کیلئے اکبر اعظمؒ کے سیکولر طرز حکومت پر کاربند تھے۔ سندھ کے شیعہ تالپور میر بھی انگریزوں کے خلاف اکیلے لڑے۔

شاہ ولی اللہ کے بیٹوں میں سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (1746ء-1823ء) فرقہ وارانہ نفرت میں آگے تھے۔ ان کو مستقل معدے میں جلن کی شکایت رہتی تھی۔ جدید علم طب کی روشنی میں معدے کی جلن کا ایک سبب منفی جذبات اور بغض و نفرت ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ پچیس برس کی عمر ہی میں ان کو جذام ہو گیا اور نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ احمد شاہ ابدالی کے جانے کے بعد شیعہ دوبارہ دہلی میں آکر بسنے لگے تھے، اس واپسی نے شاہ عبدالعزیز اور ان کے آقاؤں کو سیخ پا کر دیا۔ انہوں نے شیعہ اثر و نفوذ میں اضافے کا واویلا کیا، ان کیلئے دہلی میں شیعوں کا وجود قابل قبول نہ تھا ۔1790ء میں شاہ عبدالعزیز نے شیعہ مسلمانوں کے خلاف "**تحفة اثنا عشرية**" نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب ایک افغان سنی عالم خواجہ نصر اللہ کابلی کی کتاب "**صواقع موبقه**" کا چربہ تھی۔ اس کتاب کا پہلا نسخہ شاہ عبدالعزیز

نے تقیہ سے کام لیتے ہوئے "حافظ غلام حلیم" کے قلمی نام سے شائع کیا، کیوں کہ انھیں شیعہ امراء سے انتقامی کاروائی کا خوف تھا۔ البتہ اگر شیعہ صاحبان حل و عقد کو سنی علمائے کے خلاف تعصب سے کام لیناہوتا تو اودھ میں وہ "دارالعلوم فرنگی محل" کی سرپرستی نہ کر رہے ہوتے، جو ہندوستان کا سب سے بڑا سنی مدرسہ تھا۔ عبد الحلیم شرر نے اپنی کتاب "**گزشته لکهنؤ**" میں سلطنت اودھ میں شیعہ نوابوں کے غیر متعصب رویے پر روشنی ڈالی ہے۔

شیعہ امراء کا مفاد مذہبی اختلافات کو سیاست سے دور رکھنے میں تھا، وہ شہنشاہ اکبر کے حکیمانہ طرز حکومت کو برصغیر کی مسلمان اقلیت کیلئے مشعل راہ سمجھتے تھے۔ اکثر شیعہ امراء اور سیاست دان فقہی وابستگی کو ذاتی معاملہ سمجھتے تھے۔ بعد میں یہی سوچ قائداعظمؒ میں بھی نظر آتی ہے جنہوں نے خود کو اپنے مسلک کی تنظیموں سے دور رکھا اور اس طرح کانگریسی علمائ کو ناکام بنایا۔

اس کتاب کی اشاعت کے خلاف کوئی کاروائی نہ کئے جانے کے بعد اگلی چاپ میں انہوں نے اپنا اصلی نام بھی ظاہر کر دیا۔ سنی امراء نے اس کتاب کو بڑے پیمانے پر شائع کروایا، اس کا عربی زبان میں ترجمہ کر کے دنیائے عرب میں بھی بھیجا گیا۔ اس کتاب میں شاہ عبدالعزیز نے بارہ ابواب پورے کرنے کے چکر میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے شیعہ سنی مشترکات کو بھی متنازعہ بنادیا۔ اس طرح شیعہ امراء بمقابلہ سنی امراء، ذاتی مفادات کی جنگ میں شیعہ عوام اور شیعہ مکتب فکر کو نشانہ بنایا۔ تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں شیعہ علمائے نے موقف اختیار کیا کہ شاہ عبدالعزیز نے شیعہ مسلک کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے علم مناظرہ اور نقل حدیث کے آداب و رسوم کی خلاف ورزی کی ہے۔ انکا کہنا تھا کہ شیعہ موقف دیانت داری سے اور مکمل طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اکثر شیعہ علمائے نے اس کتاب کے ہر باب کا الگ الگ کتاب کی صورت میں رد کیا۔ آیت اللہ سید دلدار علی نقویؒ نے شیعہ عقیدہ توحید، نبوت، امامت و آخرت کے خلاف لکھے گئے ابواب پنجم، ششم، ہفتم و ہشتم کے رد میں "**الصَّوارمُ الإلهيّات**"، "**حِسامُ الاسلام**"، "**خاتِمَةُ الصَّوارم**"، "**ذوالفقار**" اور "**اِحْياءُ السُّنّة و اماتَةُ الْبِدْعَة**" لکھیں۔ علامہ سید محمد قلی موسویؒ نے تحفہ اثنا عشریہ کے پہلے، دوسرے، ساتویں، دسویں اور گیارہویں ابواب کا الگ الگ جواب دیا اور ان کتب کا مجموعہ "**الأجناد الإثنا عشرية المحمدية**" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مولانا خیر الدین محمد الہ آبادیؒ نے باب چہارم کے جواب میں "**هداية العزيز**" لکھی۔ ان کے علاوہ بھی کئی علمائے نے تحفہ اثنا عشریہ کے ابواب کے رد میں کتب تصنیف کیں جن میں شیعہ مکتب فکر کا موقف واضح کیا گیا۔ البتہ بعض علمائے نے اس کے تمام ابواب کے جواب میں ایک ہی کتاب لکھی جن میں سے انکے دوست علامہ سید محمدؒ کمال دہلویؒ نے "**نزهة اثنا عشرية**"[4] اور مرزا محمد ہادی رسواؒ نے اردو میں "**تحفة السنة**" لکھیں۔ نزہۃ اثنا عشریہ کی اشاعت تو تحفہ اثنا عشریہ کی پہلی اشاعت کے تین سال بعد ہی ہو گئی تھی اور اس وجہ سے ریاست جھجر کے سنی راجہ نے علامہ سید محمدؒ کامل دہلویؒ کو بطور طبیب علاج کروانے کے بہانے سے بلوایا اور دھوکے سے زہر پلا کر قتل کر دیا۔ تحفہ اثنا عشریہ کے جوابات کا اثر یہ ہوا کہ شاہ عبدالعزیز کے شاگرد سید قمرالدین

حسینی، جن کیلئے انہوں نے " **اجاله نافعه**" کے عنوان سے علم حدیث کا ایک رسالہ لکھا تھا، نے شیعہ مسلک اختیار کر لیا[5]۔ سب سے زیادہ شہرت جس کتاب کو نصیب ہوئی وہ آیت اللہ میر سید حامد حسینؒ اور انکی اولاد کی لکھی گئی بیس جلدوں پر مشتمل کتاب "**عبقات الانوار فی امامة الائمة الاطهار**" ہے[6] جو تحفہ اثنا عشریہ کے ساتویں باب کے رد میں لکھی گئی تھی، یہ کتاب آج تک شیعہ عقیدہ امامت پر لکھی گئی جامع ترین کتاب ہے۔ یہاں ایک اہم بات کا ذکر ضروری ہے۔ اس زمانے میں اہم ترین سنی مرکز فرنگی محل تھا، جہاں ادب، فقہ، منطق، قدیم ریاضی اور کلام جیسے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ علمائے فرنگی محل مذہب کو امراء کے مقاصد کیلئے استعمال کرنے والے دہلی کے علمائے سے دور رہے۔ شاہ عبدالعزیز نہ صرف یہ کتاب لکھ کر سنی امراء کے گروہ کے مفاد کیلئے فرقہ وارانہ سرد جنگ کا حصہ بنے بلکہ بیماریوں کی وجہ سے ہونے والی مسلسل جسمانی اذیت کا غصہ بھی اپنے فتووں اور خطوط میں شیعوں پر نکالتے رہے۔

ہندوستان میں قومی تحریک آزادی چلنے کے بعد کچھ لوگوں نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کو سنی امراء کے ملازم اور شیعہ سنی سرد جنگ کا مہرہ کہنے کے بجائے انقلابی سورما کے طور پر پیش کرنا شروع کیا جو حقائق کے منافی ہے۔ ان دونوں شخصیات نے انگریزوں کے خلاف کسی مسلمان حکمران کی حمایت میں کوئی فتویٰ یا حکم جاری نہیں کیا۔ البتہ جب انگریزوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تو شاہ عبدالعزیز نے ایک فقہی مسئلے کی وضاحت کی حد تک ہندوستان کو فقہ حنفی کے مطابق دارالحرب قرار دیا۔ انہوں نے نہ تو انگریزوں کے معاشی بائیکاٹ کی تحریک شروع کی، نہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ عسکری اعتبار سے کوئی خطرہ پیدا کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بعض لوگ آزادی کی جدوجہد کے آغاز کو نواب سراج الدولہ سے منسوب کرنے کے بجائے اس فتوے کو جدوجہد آزادی کا آغاز قرار دیتے ہیں، جبکہ اس دعوے کے کھوکھلا ہونے کو یہی بات کافی ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد انگریزوں کی حمایت کا اعلان کرتے رہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اسی طرح بہت سے لوگ شاہ ولی اللہ کو دہلی میں سنی امراء کا درباری عالم کہنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے دہلی کو ہندو مرہٹوں سے بچایا تھا۔ مرہٹے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے تھے اور احمد شاہ کی طرح لوٹ مار کر کے اسکی دولت کہیں اور منتقل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مرہٹے مغل شہنشاہ کو بھی معزول نہیں کرنا چاہتے تھے، اور جب ضابطہ خان اور بعد میں اس کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے مغل شہنشاہ کو معزول کیا تو مرہٹے ہی اسکی مدد کو پہنچے۔ عجیب تضاد ہے کہ جن لوگوں کے خیال میں مرہٹوں کی حمایت حرام تھی وہ آزادی سے پہلے علمائے دیوبند کی طرف سے گاندھی جی کی بے جا حمایت کی وکالت میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز میں اتنی وسعت نظری نہیں تھی کہ وہ زمانے کے حالات کا اندازہ لگا سکتے۔ انہیں امریکہ، یورپ اور ایشیا میں ہونے والی تبدیلیوں سے کوئی غرض نہ تھی، وہ تو محض سنی امراء کے وظیفہ خور ملازم تھے۔ شاہ ولی اللہ کو انقلابی رنگ میں رنگنے کیلئے یہ مشہور کیا گیا کہ ان کے ہاتھ کسی ظالم راجے نے توڑ دیئے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ہاتھ ٹوٹنا اگر سچ ہوتا تو اتنا اہم واقعہ تھا جس کو ضرور انکے فرزند نقل کرتے، اگر وہ نہ کرتے تو کوئی مرید ضرور لکھتا۔ اس افواہ کا ذکر ڈیڑھ سو سال بعد کی تحریروں میں

ملتا ہے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ایسا "ظالم راجہ" ان کے ہاتھ کاٹنے کا تردد کرنے کے بجائے سیدھا قتل کر دیتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے بارے میں بھی ایک فرضی ظلم یہ گھڑا گیا ہے کہ ان کے جسم پر کسی شیعہ نے چپکے سے چھپکلی کا زہر ملا تھا جسکی وجہ سے انکو جذام ہو گیا تھا، لیکن براہو جدید علم طب کا جس نے ثابت کیا ہے کہ جذام کا چھپکلی کے لعاب دہن سے کوئی تعلق نہیں۔ شاہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ انکی معدہ اور جلد کی بیماری جوانی کے زمانے سے تھی۔ اس زمانے میں اگر کسی نے شاہ صاحب کو نقصان پہنچانا ہوتا تو وہ تحفہ اثنا عشریہ کا مصنف حافظ غلام حلیم کو ہی رہنے دیتے۔ ان باتوں کو سید اطہر رضوی کی کتاب،

"A Socio-Intellectual History of the Isna Ashari Shi'is in India"

میں تفصیل سے زیر بحث لایا گیا ہے۔

جہاں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے عملی اقدامات نے عام آدمی کی زندگی کو اجیرن بنایا وہیں انہوں نے اسلامی مدارس میں رائج عقلی علوم، یعنی منطق، ریاضی، فلسفہ اور کلام، کے خلاف مہم چلا کر مسلمانوں کی فکری زندگی کو بھی زک پہنچائی۔ انہوں نے مدارس کے نصاب کو فقہ، حدیث اور تصوف تک محدود کرنے کی تجویز پیش کی جس پر پوری طرح عمل انکی وفات کے سو سال بعد دیوبند مکتب فکر کے ظہور کی شکل میں ہو گیا۔ مدارس پہلے ہی سائنسی میدان میں سست رو تھے، انکی اس مہم کے نتیجے میں وہ بو علی سینا، طوسی اور ملا صدرا جیسے قدیم شیعہ مفکرین سے کٹ گئے، اور شیعہ سنی کی خلیج میں اضافہ ہوا۔ دوسری طرف مغرب میں سائنسی علوم تیزی سے ارتقا کی منازل طے کر رہے تھے۔

انہی دنوں کچھ لوگوں نے ہندوستان کی علمی روایت کو جدید علمی انکشافات سے جوڑنے کی کوشش کی۔ بزرگ شیعہ عالم علامہ تفضل حسین کشمیریؒ نے آئزک نیوٹن کی کتاب "**Principia**" کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتاب "**فتاویٰ عزیزی**" میں علامہ تفضل حسین کشمیریؒ کو کافر قرار دے کر امام غزالی کی طرف سے بو علی سیناؒ کی تکفیر کی تاریخ دہرا دی۔ اودھ کے سرکاری افسر مرزا ابو طالب خان نے 1798ء سے 1803ء تک یورپ کا طویل دورہ کیا اور مغربی معاشرے کا مفصل مطالعہ اپنے سفر نامے "**مسیر طالبی فی بلاد افرنجی**" میں پیش کیا۔ اس تاریخی دستاویز کا انگریزی ترجمہ "**Travels of Mirza Abu Taleb Khan**" کے عنوان سے میسر ہے۔ تاہم سیاسی عدم استحکام کے اس دور میں ہندوستان میں علمی ارتقاء کی رفتار تیز نہ ہو سکی۔

تیسرا دور: نیم خواندہ امیر صاحب

انیسویں صدی کا آغاز فرقہ وارانہ دہشتگردی سے ہوا۔ عرب دنیا میں 1802ء میں وہابی لشکر نے کربلا اور نجف پر حملہ کیا اور وہاں آئمہؑ کے مزارات کی تخریب کے ساتھ پانچ ہزار شیعہ مسلمان قتل کیئے۔ 1804ء میں اس لشکر نے مدینہ پر بھی حملہ کیا اور روضۂ رسولؐ کی توہین کی۔ ان حرکتوں کی وجہ سے عالم اسلام میں اس تحریک کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے، لیکن ان کاروائیوں کا اثر شاہ ولی اللہ کے خاندان کے بعض افراد پر یوں پڑا کہ ان کے متعصبانہ اور سطحی تصورات سے ابھرنے والے متشدد ذہن کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ برصغیر میں وہابیت نافذ کرنے کی کوشش سب سے پہلے 1820ء کی دہائی میں سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل دہلوی اور مولوی عبدالحئی نے کی۔ ان میں سے شاہ اسماعیل دہلوی شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور مولوی عبدالحئی، شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے۔ ان تین حضرات کا کردار اس خطے کی مذہبی تاریخ میں بہت اہم ہے، جس کا اثر آج بھی بھارت کے صوبوں اترپردیش اور ہریانہ کے ساتھ ساتھ پاکستان کے پختون اور مہاجر اکثریت والے علاقوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ 1786ء میں پیدا ہونے والے سید احمد بریلوی نے پہلے عالم دین بننے کی کوشش کی مگر آٹزم (Autism) کا مریض ہونے کی وجہ سے پڑھ لکھ نہ سکے اور پانچ سال زور لگانے کے بعد مدرسہ ترک کر دیا۔ 1811ء میں امیر خان نامی ڈاکو کے لشکر میں شامل ہوئے جس نے سات سال بعد انگریزوں سے معاہدہ کر کے ہتھیار ڈال دیئے اور آپ بیروزگار ہو گئے[7]۔ اب سید احمد میں بھی لاشعوری طور پر امیر خان ڈاکو کی طرح ریاست قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ نیم خواندہ حضرات میں دین یا آئیڈیالوجی کے نام پر اقتدار کے حصول کی نفسیات بہت پیچیدہ ہے۔ یہ لوگ خود راستی کے احساس کا شکار ہو کر کسی قسم کا ظلم اور غلطی کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہمارے زمانے میں اسکی ایک مثال کمبوڈیا کے پول پاٹ، اور عراق و شام کے ابوبکر بغدادی کی ہے۔ اس مہم میں اہم موڑ شاہ اسماعیل اور مولوی عبدالحئی کا اپنے آپ کو سید احمد کی مریدی میں دینا تھا۔ یہ دونوں سید احمد سے ہر لحاظ سے بہتر تھے، چنانچہ سید احمد میں یہ مالیخولیا پیدا ہوا کہ وہ خدا کی طرف سے چنے ہوئے اور ایک مشن پر مامور کیئے گئے ہیں۔ مذہبی دنیا میں کم علمی کی وجہ سے کوئی مقام نہ ہونے اور پیٹ کی بھوک نے اس مالیخولیا کو اور ہوا دی۔ وہ مفتی بن کر عزت و معاش نہ کما سکے تو امیر صاحب بن کر مفتیوں سے بھی آگے نکل سکتے تھے۔ سید احمد کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ آج کل کے دہشتگردوں کو سمجھنے کیلیئے بہت ضروری ہے کیوں کہ ان لوگوں کو بھی جب جہالت، غربت اور اکابر کی حمایت کی مثلث کا سامنا ہوتا ہے تو انکی نفسیاتی کیفیت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ کوئی بھی انسان محض حوروں سے مجامعت کیلیئے خودکشی نہیں کرتا۔

اب اس تحریک کے دوسرے رخ، یعنی شیعہ مخالف تشدد کی طرف آتے ہیں۔ شاہ اسماعیل نے اپنی کتب میں اہل سنت کو عزاداری پر حملے کیلیئے اکسایا اور کہا کہ تعزیہ توڑنے کا ثواب بت شکنی جیسا ہے۔ شاہ عبدالعزیز اپنی زندگی کے آخری سالوں

میں تھے، ان کے ہاں نہ صرف محرم میں مجلس ہوتی تھی (فتاویٰ عزیزی میں 1238 ہجری یعنی سن 1818ء میں ایک سوال کے جواب میں ایسی مجلس کا ذکر موجود ہے) بلکہ وہ بی بی فاطمہؑ کی نیاز بھی دیا کرتے اور انہوں نے اپنی کتاب **"سر الشہادتین"** میں کربلا کی یاد منائے جانے کو خدا کی طرف سے پیدا کردہ اسباب شہرت قرار دیا تھا۔ سید احمد نے ان کے گھر میں نیاز دلانے کے سلسلے کو بھی بند کروا دیا [8]۔ اس سے پہلے محرم میں تعزیہ، اہلبیت کا ذکر اور نیاز شیعہ و سنی کیلئے مشترک عمل تھا۔ سید احمد بریلوی نے سہارن پور میں تعزیے کو آگ لگوا دی۔ اس توہین کی وجہ سے اہل تشیع میں اشتعال پھیل گیا اور انہوں نے اس فتنے کے خلاف فیصلہ کن کاروائی کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس تیاری کی خبر ملنے پر انگریزوں نے سید احمد اور ان کے مریدوں کو سہارن پور سے علاقہ بدر کر دیا۔ سید احمد جب بریلی گئے تو وہاں بھی عزاداری کے خلاف جلسے اور تقریریں کیں جن کے رد عمل میں اہل تشیع نے تبرا کا جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا۔ صفوی دور کی شروع کردہ بدعت ہندوستان میں بھی آنے والی تھی مگر اودھ کے نواب غازی الدین حیدر اور آیت اللہ سید دلدار علی نقویؒ نے اہل تشیع کو اس حرکت سے باز رکھا۔ 1817ء سے 1820ء تک مختلف شہروں میں پھر کر فساد پھیلانے کے بعد چار سو عقیدت مندوں کو لے کر سید احمد 1821ء میں حج کرنے چلے گئے۔ راستے میں بنارس کے مقام پر اہلسنت کے زیر انتظام امام بارگاہوں پر حملہ کیا اور تعزیے جلائے۔ پٹنہ میں بھی یہی کام کیا اور وہاں کے انگریز مجسٹریٹ نے اہل تشیع کے احتجاج کے باوجود اس ٹولے کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی [8]۔

اب اس تحریک کے تیسرے رخ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ طالبان اور القاعدہ کے امریکہ کے ساتھ عجیب وغریب گٹھ جوڑ کو سمجھنا چاہتے ہیں انہیں شاہ ولی اللہ کے خاندان کے اقدامات اور انگریزوں کے مفادات کے درمیان غیر مستقیم تعلق کو سمجھنا ہو گا۔ انگریز اس وقت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ اکبر کے زمانے سے ہندوستان کے معاشرے کے بارے میں معلومات جمع کر رہے تھے اور کتب لکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عرب ممالک میں وہابی تحریک اور ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کی تحریک ان معاشروں کو اسی طرح کھوکھلا کرے گی جیسے یورپ میں 1522ء میں چھڑ کر 1618ء سے 1648ء تک عروج پر پہنچنے والی فرقہ وارانہ جنگوں نے مغربی معاشروں کو کیا تھا۔ لہٰذا جس طرح انہوں نے حجاز میں وہابی تحریک کی حمایت کی اسی طرح ان حضرات کو بھی اپنی نظر میں رکھتے ہوئے کھلی چھٹی دی۔ بات واضح تھی، سید احمد جیسے انگریزوں کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے البتہ ان کو اپنے جاسوسوں کی مدد سے ورغلا کر اس زمانے میں انگریزوں کے دشمن سکھوں کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ سید احمد کو لشکر سازی میں امیر خان ڈاکو نے بہت مدد فراہم کی، جو کچھ عرصہ قبل انگریزوں سے معاہدہ کر کے ہتھیار پھینکنے کے بدلے جائیداد حاصل کر چکا تھا۔ اس طرح اس شخص کو سہولت کار کے طور پر استعمال کر کے انگریز اس ساری تحریک کو اپنے انگلیوں پر نچا رہے تھے۔ یہ لوگ شمالی ہندوستان میں لشکر بنا کر جہاد کیلئے راجستھان، بلوچستان اور افغانستان کا تین ہزار میل لمبا سفر کر کے سکھوں کی کمر میں خنجر مارنے پختون علاقوں میں پہنچ گئے۔ اس وقت سندھ میں شیعہ تالپور خاندان انگریزوں سے برسرپیکار تھا مگر ان مجاہدین نے انکی کوئی مدد نہ کی۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے الفاظ میں:۔

"انگریزوں سے جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ایک توان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں"[9]۔

ادھر افغان حکمران طبقہ بھی ان حضرات سے چوکنا ہو گیا تھا، انکی تشویش کو دور کرنے کیلئے سید احمد نے شہزادہ کامران کے نام خط میں لکھا:۔

"اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اسے کفر و شرک سے پاک کیا جائے، اسلئے کہ میرا اصلی مقصد ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ خراسان (افغان سلطنت کا مرکز) میں سکونت اختیار کرنا"[10]۔

اس خط سے واضح ہے کہ سید احمد ایک تو یہ چاہتے تھے کہ افغان حکمران ان کو اپنے ملک کیلئے خطرہ سمجھ کر سکھوں سے اتحاد نہ کرلیں، دوسرے ان کی توجہ ہندوستان میں انگریزوں کی معاشی لوٹ مار سے آزادی اور عوام کی زندگی میں بہتری لانے کے بجائے وہاں محمد ابن عبدالوہاب کی طرز پر شرک و کفر کے نام پر مسلمانوں کے اندر جھگڑا کرنے پر تھی، جیسا کہ پختون علاقوں میں آنے سے قبل وہ یہی کام کرتے تھے۔سید احمد کے نیم خواندہ ہونے کی وجہ سے ان سے سیاسی اور معاشرتی معاملات میں سوجھ بوجھ کی امید رکھنا بھی فضول ہے۔البتہ اس خط کو بنیاد بنا کر برصغیر کی آزادی کے بعد ان کو تحریک آزادی کے رہنماؤں میں شامل کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔حالانکہ انہوں نے اگر انگریزوں کے خلاف کچھ کرنا ہوتا تو اسی زمانے میں بنگال میں انگریزوں کے ظالمانہ "بندوبست دوامی" کے قانون کی وجہ سے مسلمان ہاریوں اور کسانوں کا برا حال تھا اور وہ فرائضی تحریک کا حصہ بن کر انگریزوں اور ہندوؤں کے ظلم کے خلاف کھڑے ہو چکے تھے۔سید احمد نے الٹا ان غرباء کو بھرتی کر کے سکھوں کے خلاف استعمال کیا جس سے انگریزوں کا دوہرا فائدہ ہوا۔

اس تحریک کا چوتھا رخ خود اہلسنت میں تفرقہ ایجاد کرنا ہے۔ان لوگوں نے اپنی دانست میں خدا کی شان بیان کرنے کیلئے رسول اللہ (ص) کی شان میں توہین آمیز باتیں کیں۔اس کام کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد سنی علمائے ان کے افکار کے خلاف رسالے لکھے، جن میں علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا عبدالمجید بدایونی، مولانا فضل رسول بدایونی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا محمد موسیٰ اور مولانا ابوالخیر سعید مجددی نمایاں تھے۔مولانا فضل حق خیر آبادی نے ایک پوری کتاب **"تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ"** لکھی۔ان بزرگوں کے پیروکار بعد میں امام احمد رضا خان بریلوی کی نسبت سے بریلوی کہلائے۔

1826ء میں یہ لوگ پختون علاقوں میں طالبانی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔یہ کوئی ایسی ریاست نہیں تھی جو انسانی سرمائے کو استحکام اور آزادی کی فضا مہیا کر کے عوام کی زندگی میں بہتری لاتی، غربت اور بیماریوں کا خاتمہ کرتی۔

اس زمانے میں مغرب میں صنعتی اور طبّی انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا جس نے آگے چل کر دنیا بھر کی منڈیوں پر قبضہ جمایا، ادھر مسلمان معاشرے کو ایسی جونکوں نے آلیا تھا۔ پشتون علاقوں میں انہوں نے فقہ حنفی کو وہابی عقائد کے ساتھ ملا کر نافذ کیا۔ پختون تہذیب پر حملے کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم دیا کہ کوئی بالغ لڑکی شادی کے بغیر نہیں ہونی چاہئیے۔ سید احمد کے کارندے باجماعت نماز میں شریک نہ ہو سکنے والے شخص کو کوڑے لگاتے۔ انہوں نے بنگال و بہار سے لائے گئے "مجاہدین" کی مقامی لڑکیوں سے زبردستی شادیاں کیں۔ پختون علاقوں میں عوام آہستہ آہستہ ان کے خلاف ہو گئے تو شاہ اسماعیل دہلوی نے کہا:۔

"آن جناب (سید احمد بریلوی) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہو گئی ہے۔ جس کسی نے آں جناب کی امامت قبول کرنے سے انکار کیا تو وہ باغی ہے، اس کا خون حلال ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد ہے اور اس کی ہلاکت تمام اہل فساد کی ہلاکت کہ یہی اللہ کی مرضی ہے۔ چوں کہ ایسے اشخاص کی مثال حدیثِ متواترہ کی رو سے جہنم کے کتوں اور ملعون شریروں جیسی ہے۔ یہ اس ضعیف کا مذہب ہے، پس اس ضعیف کے نزدیک اعتراض کرنے والوں کے اعتراض کا جواب تلوار کی ضرب ہے"[11]۔

تعجب کی بات نہیں کہ آج طالبان اور داعش کے تکفیری دہشتگرد انکے افکار سے مکمل مماثلت رکھتے ہیں۔ پشاور کے روایتی سنی علماء نے ان خوارج نما حضرات کے خلاف فتوے جاری کئے۔ آخر کار 1831ء میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کو حالت فرار میں بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں نے مقامی پختونوں کی مدد سے قتل کیا۔

رنجیت سنگھ کی وفات اور پنجاب کے انگریزوں کے ہاتھوں فتح ہونے کے بعد انگریزوں نے سید احمد کی تحریک مجاہدین کی باقیات کا صفایا کر دیا: ان کی پشت پناہی کا مقصد ختم ہو چکا تھا۔ انکے مریدوں نے ان کے بارے میں عجیب و غریب مگر غیر قابل تصدیق کرامات وضع کیں جن کو سو سال بعد مرزا حیرت دہلوی جیسوں نے اپنی کتابوں میں درج کیا۔ حنفیت، تصوف اور خارجیت کا یہ ملغوبہ بعد ازاں 1867ء میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کی شکل میں سامنے آیا۔ دیوبندی مکتبہ فکر میں سید احمد بریلوی کی تکفیری سوچ کو اپنانے کا رجحان اس مکتبہ فکر کی تشکیل کے ابتدائی دنوں سے موجود تھا۔ یہ رجحان پیر امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ پیر امداد اللہ مہاجر مکی بھی نیم خواندہ تھے اور انکے بقول وہ سید احمد بریلوی کو خوابوں میں ملتے رہے[8]، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انکے ذہن پر سید احمد بریلوی کا اثر کتنا گہرا تھا؟

البتہ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اس فتنے کا اثر بہت محدود لیکن بہر حال موثر تھا۔ ان فتنے کے برعکس کچھ مسلمان مفکرین زمانے کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے اور نواب سراج الدولہؒ کی جلائی ہوئی شمع آزادی کو روشن رکھے ہوئے تھے۔ ایسا ہی ایک روشن کردار، اردو صحافت کے بانی شہید مولوی سید محمد باقر دہلویؒ (1790ء۔1857ء) کا

ہے، جو دہلی کے شیعہ علمائ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بدلتے ہوئے زمانے میں ذرائع ابلاغ کی افادیت کو سمجھ گئے۔ 1836ء کے آس پاس انہوں نے اپنا چھاپہ خانہ قائم کیا اور 1837ء میں اردو کے اخبار **''دہلی اردو اخبار''** کا آغاز کیا۔ آگے چل کر اس اخبار نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اردو اخبار پہلا ایسا عوامی اخبار تھا جو دربار شاہی سے لیکر کمپنی کی خبروں تک اور قومی و بین الاقوامی خبریں بھی شائع کررہا تھا۔ ''دہلی اردو اخبار'' کے پہلے صفحہ پر ''حضور والا'' کے عنوان کے تحت مغل بادشاہ وشہزادوں کی خبروں کے ساتھ قلعۂ معلی کی نقل وحرکات اور ''صاحب کلاں'' عنوان کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کی خبریں چھپتی تھیں۔ اخبار میں مذہبی مضامین کے ساتھ ادبی گوشہ بھی ہوتا تھا جس میں مومن ،ذوق، غالب، بہادر شاہ ظفر، زینت محل اور دیگر شعراء کا کلام چھپتا۔ وہ ہندوستان میں جدید تعلیم کے فروغ کی اہمیت پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ سید احمد بریلوی اگرچہ قتل ہو چکے تھے لیکن انکی بھڑکائی ہوئی فرقہ واریت کی آگ کہیں کہیں دہک رہی تھی۔ ایسے تنازعات پر ''دہلی اردو اخبار''، 22مارچ 1840ء، کی رپورٹ ملاحظہ کریں:۔

''سنا گیا کہ عشرۂ محرم میں باوجود اسکے کہ ہولی کے دن بھی تھے اس پر بھی بسبب حسن انتظام صاحب جنٹ مجسٹریٹ اور ضلع مجسٹریٹ کے بہت امن رہا۔ کچھ دنگا فساد نہیں ہوا۔ صرف ایک جگہ مسمات امیر بہو بیگم بیوہ شمس الدین خان کے گھر میں، جو شیعہ مذہب ہے اور وہاں تعزیہ داری ہوتی ہے، کچھ ایک سنی مذہبوں نے ارادہ فساد کیا تھا لیکن کچھ زبانی تنازع ہوئی تھی کہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ کے کان تک یہ خبر پہونچی۔ کہتے ہیں کہ صاحب ممدوح جورات کو گشت کو اٹھے تو خود وہاں کے تھانہ میں جاکے داروغہ کو بہت تاکید کی اور کچھ اہالیان پولس تعین کئے کہ کوئی خلاف اسکے گھر میں نہ جانے پاوے۔ سو خوب انتظام ہو گیا اور پھر کہیں کچھ لفظ بھی نزاع کا نہ سنا گیا''۔

درگاہ پنجہ شریف دہلی کے قریب ہی انکی تعمیر کردہ امام بارگاہ تھی جسے "آزاد منزل" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ انہوں نے اکتوبر 1843ء میں ''مظہر الحق'' کے نام سے بھی ایک اردو اخبار نکالا تھا، جس میں شیعہ مسلک سے مخصوص مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے جن میں غلامی کے خلاف شیعہ نظریہ کی وضاحت کی جاتی تھی۔

1857ء میں انہوں نے فکری قیادت کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے اخبار کو آزادئ ہند کے لئے وقف کر دیا تھا[12]۔ 1857ء کی بغاوت شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد ''دہلی اردو اخبار'' کا نام بدل کر ''اخبار الظفر'' کر دیا گیا تاکہ تحریک آزادی کو بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور لال قلعہ دہلی کی شکل میں ایک مرکز میسر ہو۔ اخبار میں دہلی، میرٹھ، سہارنپور، انبالہ اور دیگر علاقوں کی سیاسی و ثقافتی خبریں شایع ہونے لگیں۔ انہوں نے سہارنپور، انبالہ، جھجر، کٹک، لاہور، ملتان، کلکتہ، بھوپال، میسور، جھانسی اور میرٹھ جیسے علاقوں کی خبریں اور حالات معلوم کر کے شائع کئے۔

دہلی اردو اخبار

قیمت ماہواری دو روپیہ اور جو پیشگی دیویں فی ماہ فقط بیس روپیہ سالانہ

نمبر ۲۰ بتاریخ ۱۷ ماہ مئی ۱۸۵۷ء مطابق ۲۱ ماہ رمضان المبارک ۱۲۷۳ ہجری روز یکشنبہ جلد ۱۹

قل فاعتبروا یا اولی الابصار

صدق اللہ العلی العزیز القہار الولی الکریم
الرحیم الجبار حیث قال فی کتابہ المبین و کلامہ
المتین لا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء و
ہدی بارشادہ قل اللہم مالک الملک تؤتی الملک
من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء
وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیٔ قدیر۔
لھدی ہو القادر المقتدر العظیم الجلیل القہار
الجبار سبحانہ لہ الملک ولہ الحمد فوق حمد الحامدین
الحق ہو الذی دل علی ذاتہ بذاتہ وتنزہ عن جمیع
مخلوقاتہ وجل عن ملائمۃ کیفیاتہ لا تراہ العیون
ولا یحیط بہ الظنون والصلوۃ والسلام علی سیدنا
ومولانا محمد خاتم النبیین وافضل المرسلین و آلہ
الطاہرین واصحابہ المتبعین الہادین الراشدین
اجمعین فوق صلوۃ المصلین الی یوم الدین آمین
یارب العلمین۔

ہر چند مضمون صداقت مشحون تولج اللیل فی النہار
وتولج النہار فی اللیل اور مشاہدہ روزمرہ آسمان
بے ستون و نور و ظلمت روز و شب و ابر و باد
و طلوع و غروب مہر و ماہ و روئیدگی دانہ و گیاہ
و بالیدگی اشجار و اثمار و صحت و مرض انسان
و حیوان و موت و حیات ہر ذی روح و جان
وغیرہا امورات بے پایان واسطے ثبوت قدرت
و اقتدار وجود ذی جود واجب الوجود کے
شہود عدل واسطے صاحبان ادراک و بصیرت
و ایقان و عرفان کے کافی و وافی ہیں۔ واللہ
در القائل وفی کل شیٔ لہ آیۃ تدل علی انہ واحد
لیکن تقدیر ناپذیر وقضائے حکیم علیم فاقدر الامر قاہر
اور قصص خصوصی ہلاکت نمرود و فرعون و ثمود
وابرہہ وغیرہا وسوانح قریبہ نادر وغیرہ ملوک اولو العزم
جبرہ و قہرہ مصداق مضمون عبرت مشحون۔

۸۵

تصویر۔2: جنگ آزادی کے آغاز کے بعد 17 مئی 1857ء کے شمارے میں مولانا محمد باقر دہلویؒ نے تاریخ کے ان طاقتور ظالموں کی نابودی کا ذکر کیا، جن کو شکست دینا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ اس شمارے میں درج عربی کے خطبے میں رسولؐ اور ان کی آلؑ کے ساتھ ساتھ صحابہؓ پر بھی درود و سلام بھیجا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد باقرؒ کا صحافتی نیٹ ورک اتنا وسیع تھا کہ دور دراز کے شہروں کی خبریں انہیں بروقت مل جاتی تھیں۔ ہو سکتا ہے وہ ان خبروں کے حصول کے لئے باغی فوجی دستوں اور انقلابی نظم کا سہارا لیتے ہوں۔ کیونکہ اسکے بغیر دور دراز کے علاقوں سے صحیح حالات کا علم ہونا ممکن نہیں تھا۔ تحریک آزادی کے عروج کے وقت جب دہلی شہر میں ہندوؤں کے خلاف جہاد کے اعلان پر مبنی اشتہار لگائے گئے جن میں انگریزوں کو اہل کتاب بھائی کہا گیا تھا، تو مولوی محمد باقرؒ نے تحریک آزادی کی صفوں میں انتشار اور داخلی جنگ پیدا کرنے کی اس سازش کو پہچان لیا اور اپنے اخبار میں اس سازش کے خلاف لکھا۔ آپ نے خصوصی طور پر آزادی کے لیے لڑنے والے فوجیوں کو اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھنے کی تلقین کی۔ انگریزوں کے ذرائع ابلاغ نے لکھنا شروع کیا کہ کارتوسوں پر سور کی چربی استعمال نہیں ہوئی ہے۔ اسکا مقصد مسلمانوں سپاہیوں کو یہ کارتوس اپنے ہم وطن ہندوؤں کے خلاف استعمال کرنے کیلئے راضی کرنا تھا۔ مولوی محمد باقرؒ نے اپنے اخبار میں لکھا کہ آج اگر ہندوؤں کی باری ہے تو کل ہماری باری ہو گی، انہوں نے مزید لکھا کہ ہندو تو

مسلمانوں کے ساتھ شانہ بشانہ انگریزوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے رئیسوں اور راجاؤں کیلئے لکھا کہ انھیں اپنے ہم وطن عوام کے خلاف انگریزوں کا ساتھ نہیں دینا چاہئیے اور یاد رکھنا چاہئیے کہ انگریز دھوکے باز ہیں۔ انہوں نے ہم وطنوں میں اتحاد پر زور دینے کیلئے شیخ سعدیؒ کے مشہور اشعار کا بھی حوالہ دیا:۔

بنی آدم اعضای یک پیکرند

کہ در آفرینش زیک گوہرند

عید الاضحیٰ آئی تو مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر نے گائے کی قربانی پر پابندی لگائی تاکہ انگریز اس سے فائدہ اٹھا کر ہندو مسلم فساد نہ کروا سکیں، کیونکہ گائے ہندوؤں کے ہاں مقدس ہے۔ البتہ معلومات، خبروں، قیادت اور نظم وضبط کی اس جنگ میں انگریز جیت گئے۔ چار ماہ بعد دہلی پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تو مولوی محمد باقرؒ پر ایک انگریز کے قتل کا مقدمہ چلا کر گولی مار دی گئی، جس کو دہلی میں ہجوم نے پیٹ کر ہلاک کر ڈالا تھا۔ یوں یہ تحریک آزادی ہند کے پہلے شہید صحافی بن گئے۔ انکے بیٹے مولانا محمد حسین آزاد لاہور چلے گئے اور وہ بھی اردو کے مایہ ناز ادیب ہوئے۔ برطانوی عہد کے زمانے سے برصغیر کا معاشرہ متعصب بن چکا ہے لہذا آج ان کو ہندوستان میں مسلمان اور پاکستان میں شیعہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تعلیمی نصاب میں انکی شخصیت، سیاسی بصیرت اور خدمات کا ذکر نہیں ملتا۔ ان کے بجائے سید احمد بریلوی جیسے خوارج کو سامنے لایا جاتا ہے جو شرک وکفر کے فتووں سے آگے کچھ نہیں جانتے تھے۔

اس زمانے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے پیروکاروں کے لیے 'وہابی' کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، بعد میں یہ مکتب فکر دیوبندی اور اہلحدیث میں تقسیم ہو گیا۔ انگریز دور میں مرتب کردہ کچھ گزیٹئرز موجودہ پاکستان کے علاقوں میں وہابیوں کی موجودگی کا پتا دیتے ہیں۔ درج ذیل جدول میں ان گزیٹئرز میں موجود اعداد وشمار پیش کئے گئے ہیں۔

انگریز دور کی مردم شماری کے مطابق مسلمان آبادی میں وہابیوں کا تناسب			
سال	ضلع	وہابیوں کی تعداد	گزیٹئر کے صفحے کا حوالہ
1897–98	پشاور	0.01%	صفحہ 110
1883–84	شاہ پور	0.07%	صفحہ 40
1883–84	جھنگ	0.02%	صفحہ 50
1893–94	لاہور	0.03%	صفحہ 94

جہاں یہ اعداد و شمار سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار کی اس زمانے میں قبولیت کا پتا دیتے ہیں، وہیں ان میں بتائی گئی تعداد اصل تعداد سے کم ہے کیوں کہ اس زمانے میں وہابی کہلائے جانے والے لوگ انفرادی زندگی میں اپنے مسلک کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہابیوں میں تقیہ کے اس رجحان کی طرف لاہور کے گزیٹئر میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

''وہابیوں کی گنتی انکی اصلی تعداد سے بہت کم ہے؛ شاید اکثر وہابی مسلمانوں نے اپنی وہابی شناخت کو ظاہر کرنا محفوظ نہ سمجھا''۔

مولوی نور احمد چشتی نے اپنی کتاب ''یادگار چشتی''، مطبوعہ 1859ء میں لکھا ہے کہ:۔

''اہلِ اسلام میں اب ایک اور فرقہ نکلا ہے اور اس کو وہابیہ فرقہ کہتے ہیں۔ اس زمانے میں دیکھتا ہوں کہ اکثر عالم لوگ اس طرف متوجہ ہیں۔ العیاذ باللہ! خدا ان کے عقائد کو درست کرے'' [''یادگار چشتی''، مرتبہ گوہر نوشاہی، صفحہ 152]۔

اس کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کی شہری مڈل کلاس میں سید احمد بریلوی کے پیروکار پیدا ہو چکے تھے اور وہ عزاداری پر حملے کرنے لگ گئے تھے:۔

''اور ہر بازار میں لوگ واسطے دیکھنے کے جمع ہوتے ہیں۔ ہر طرف سے گلاب کا عرق اس (ذوالجناح) پر چھڑکا جاتا ہے مگر بعض تعصب سے اس کو ہنسی کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان کو ''مدد چار یار'' کہتے ہیں اور اکثر اس پر کشت و خون ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب میجر کرکر صاحب بہادر لاہور میں ڈپٹی کمشنر تھے، تب سنی شیعہ میں بہت فساد ہوا اور بہت لوگ مجروح ہوئے۔ تب سے اب ہمیشہ شہر لاہور میں ڈپٹی کمشنر صاحب اور کوتوال اور تحصیل دار اور سب تھانے دار لوگ اور ایک دو کمپنی پلٹن کی اور ایک ملٹری صاحب اور ایک رسالہ، شیعہ لوگوں کی محافظت کے واسطے گھوڑے کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ کوئی سنی دست درازی نہ کر سکے۔ مگر تو بھی وہ لوگ باز نہیں آتے'' [''یادگار چشتی''، مرتبہ گوہر نوشاہی، صفحہ 237]۔

کنہیا لال نے اپنی کتاب ''تاریخ لاہور''، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور، سنہ 1884ء، میں لکھا ہے:۔

''1849ء میں اس مکان (کربلا گامے شاہ) پر سخت صدمہ آیا تھا کہ 10 محرم کے روز جب ذوالجناح نکلا تو رستہ میں، متصل شاہ عالمی دروازے کے، مابین قوم شیعہ و اہل سنت کے سخت تکرار ہوئی۔ اور نوبت بزد و کوب پہنچی۔ قوم اہلسنت نے اس روز چار دیواری کے اندرونی مکانات گرا دیئے۔ مقبرہ کے کنگورے وغیرہ گرا دیئے۔ چاہ کو اینٹوں سے بھر دیا۔ گامے شاہ کو ایسا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ آخر ایڈورڈ صاحب ڈپٹی کمشنر نے چھاونی انار کلی سے سواروں کا دستہ طلب کیا تو اس سے لوگ منتشر ہو گئے۔ اور جتنے گرفتار ہوئے ان کو کچھ کچھ سزا بھی ہوئی'' [صفحہ 305]۔

چوتھا دور: چھاپہ خانہ، ریل گاڑی، غربت، تنظیمیں اور مدارس

1857ء میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں کی غیرت نئے کارتوسوں پر لگی گائے اور سور کی چربی کو چکھ کر بیدار ہو گئی۔ انگریزوں کیلئے یہ تعجب کی بات تھی کیوں کہ آج تک یہی لوگ کرائے کا سپاہی بن کر ایک دوسرے کو چیرتے پھاڑتے اور مقامی راجاؤں کے سر کاٹ کر گورے صاحب کے قدموں میں رکھتے رہے تھے۔ لکھنؤ اور دہلی کے شیعہ سنی علمائے نے جہاد کا مشترکہ فتویٰ دیا۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے پھسلا تو تاج برطانیہ نے گود لے لیا۔ رنگون سے آنے والے انگریز فوج کے دستے نے لاکھوں لوگ قتل کر کے چنگیز خان کی سی دھاک بٹھادی۔ بہر حال اس غیر منظم جنگ نے پہلی بار ہندوستانیوں میں اجتماعی زندگی کے بارے میں سوچ پیدا کی، جس میں مولوی محمد باقر دہلوی شہیدؒ کے اخبار کا اہم کردار تھا۔ اس سیاسی تبدیلی کے ساتھ اہم سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں:۔

1. اپنی ایجاد کے چار سو سال بعد چھاپہ خانہ (پرنٹنگ پریس) ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جدید تعلیمی نظام تو نافذ کیا کیونکہ اس کے بغیر علمی اور صنعتی دریافتوں پر مبنی قدرتمند ریاست کو چلانا ممکن نہ تھا، لیکن انہوں نے تعلیمی بجٹ نہایت کم رکھا اور بہت کم جدید یونیورسٹیاں قائم کیں۔ لہٰذا چھاپہ خانہ ہندوستان میں عوامی سطح پر سائنسی مکالمے کے آغاز کا باعث نہ بن سکا۔ چھاپہ خانہ کتنی بڑی اور گہری تبدیلی تھا، اس کا اندازہ دس سال قبل فیس بک، گوگل اور یوٹیوب کے عام ہونے سے پہلے اور بعد کے زمانے میں فرق کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ تحریریں لکھنا اور نشر کرنا سستا اور عام ہو گیا۔ نیز جس طرح آج کل سوشل میڈیا کو بہت سے لوگوں نے کمائی کا ذریعہ بنایا ہے، اسی طرح چھاپہ خانوں کی توجہ بھی ایسا مواد نشر کرنے پر زیادہ ہوئی جو بک سکتا تھا۔ جنتریاں، معجزات، کرامات، ٹوٹکے ہی نہیں بلکہ نفرت انگیز پمفلٹ اور کتابیں بھی چھپنے لگیں۔
2. ریل گاڑی اور ٹیلی گرام نے مختلف علاقوں میں رہنے والے ایک مکتب فکر کے افراد کو آپس میں رابطہ کرنے اور مل کر اقدام اٹھانے کے قابل بنا دیا۔ بہت سی تنظیمیں بن گئیں، بہت سے مدراس بن گئے۔ ہر محلے میں انجمن سازی شروع ہوئی۔ ہندوؤں میں بھی اس زمانے میں شدھی تحریک جیسی جماعتیں قائم ہونے لگیں۔ مسلم مسیحی، مسلم ہندو مناظرے بھی عام ہو گئے۔
3. انگریزوں نے ہندوستان کو ایک مستقل قانون دیا۔ اب عدالتوں میں اس کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ اس سے پہلے ہندوستان میں کوئی مستقل قانون نہیں تھا۔ علمائے قاضی ہوتے اور ہر مقدمے میں اپنی فہم کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ایسے میں اکثر کسی مجرم کو کوئی شرعی حیلہ لگا کر چھوڑ نا یا بے گناہ کو سزا دینا ممکن تھا۔ علمائے کے پاس قرون وسطیٰ کے یورپ کے پوپ جیسے اختیارات تھے، وہ اپنے علاقے میں بادشاہ کے

بعد سب سے زیادہ طاقتور ہوتے۔ اسی طرح جب انگریز جدید ادویات لائے اور ہسپتال قائم کیئے تو وہ علماٗ جو حکیم بن کر یا دم کر کے مریضوں کا علاج کیا کرتے، ڈاکٹرز کے بہتر طریقہ علاج کی وجہ سے جزوی طور پر گاہکوں سے محروم ہو گئے۔ یہی معاملہ جدید تعلیمی اداروں کا تھا: سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہونے سے جدید علوم ہندوستان آ گئے۔ علماٗ کا اقتدار چھن گیا تو وہ انگریزوں کے دشمن ہو گئے۔ یہ دشمنی انگریزوں سے نہیں بلکہ جدت اور پیشرفت سے تھی اور ہے۔ رہی عوام کی بدحالی، تو اسکی فکر اور تڑپ انہیں نہ مغلیہ دور میں تھی نہ اب ہے۔

4. راجے مہاراجاؤں کا زمانہ جزوی طور پر ختم ہونے سے مدارس و علماٗ کی معاش کا انحصار عوامی چندے پر ہونے لگا۔ جو عالم کوئی نیا رواج قائم کرتا، کچھ لوگ اسکو چندہ دینے لگتے۔ پھر وہ دوسروں کو بدعتی، جہنمی، کافر، گستاخ، اسلام دشمن وغیرہ قرار دے کر اپنے حلقۂ اثر کو بڑھاتا۔ سنیوں میں علمائے فرنگی محل کی جگہ بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور نیچری (دین کی سائنسی تفسیر کرنے والے) آ گئے۔ مولانا غلام احمد قادیانی نے دو قدم آگے بڑھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور "حضور" قرار پائے۔ شیعوں میں انیس و غالب اور مجتہدین کی بجائے خود ساختہ قصہ گو ذاکرین اور گرما گرم مناظرانہ بحثوں والے خطبا منظر عام پر آ گئے۔ محرم میں زنجیر زنی اور ذوالجناح کا رواج اسی دور میں شروع ہوا۔ پہلے کئی شیعہ علماٗ، سنی علمائے فرنگی محل کے شاگرد رہ چکے تھے اور کئی سنی علماٗ، شیعہ مجتہدین کے شاگرد رہ چکے تھے، لیکن اب "اسلام خطرے میں ہے" کا دور آ چکا تھا۔

اس وقت کچھ ایسے خطیب اور مناظرین سامنے آئے جو سنی سے شیعہ ہوئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ فقہ و حدیث میں مجتہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لہذا انہوں نے اختلافی مسائل کو اپنی تقریروں کا موضوع بن کر عوام میں جگہ بنائی۔ مولانا سجاد حسین ایک ایسے ہی شیعہ عالم تھے۔ ایک اور آتشین خطیب جو سنی سے شیعہ ہوئے مولانا مقبول احمد دہلوی تھے۔ دوسری طرف ایک شیعہ عالم مولانا محسن الملک سنی ہو گئے۔ انہوں نے سنیوں میں شیعہ مخالف مہم چلانی شروع کر دی۔ مسلک تبدیل کرنے والے علماٗ اپنے نئے مسلک کے علماٗ کے مقابلے میں کم علم رکھنے کی وجہ سے اختلافی مسائل پر ہی زور دیا کرتے تھے کیونکہ یہی چیز وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

5. انگریزوں نے امریکا اور افریقہ میں اپنے تجربات کی روشنی میں ہندوستان کی دولت لوٹنے کیلئے طرح طرح کی پابندیاں لگائیں جنکی وجہ سے ہندوستان کا کام برطانیہ کی صنعت کو خام مال فراہم کرنا رہ گیا۔ ہندوستان میں پہلے سے موجود صنعتوں کو بھی بزور قوت ختم کیا، مثلاً کپڑے کاتنے والوں کی انگلیاں کاٹی گئیں۔ ہندوستان برطانوی کمپنیوں کی منڈی بن گیا اور غربت میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ غربت میں پسنے

والے کے پاس اتنا وقت اور توانائی نہیں تھی کہ کتاب پڑھ کر غور و فکر کر سکے۔ غربت نے عام آدمی کو منطقی اور تجربی علوم کے بجائے پروپیگنڈے پر مشتمل اخباروں، افواہوں اور اشتہارات کا چارہ بنا دیا۔ غربت کا ہی ایک نتیجہ یہ نکلا کہ عالم اسلام کی تمام ناکامیوں کو مسلم سماج کی اقلیت، یعنی اہل تشیع، کے ذمے لگایا جانے لگا۔ معاشی بحران میں کمزور گروہ کو ساری ناکامیوں کا ذمہ دار قرار دینا عام ہوتا ہے، صاحبان اقتدار کے کاموں کی ذمہ داری کسی چالاک "ابن سبا" یا "یہودی جرمن" پر ڈال دی جاتی ہے۔

6. اہلسنت میں جو نئے مسالک بنے، انہوں نے اپنے آپ کو پکا اور اصلی سنی ثابت کرنے کیلئے شیعوں کو تختۂ مشق بنایا۔ اسکو سمجھنے کیلئے یورپ میں مارٹن لوتھر کی یہود مخالف تبلیغ اور نفرت انگیزی کو دیکھنا ہوگا۔ جب کیتھولک چرچ نے اس سے لاتعلقی کا اعلان کیا اور اس کو گمراہ قرار دیا تو اس کے پاس عوام میں جگہ بنانے کیلئے یہی راستہ تھا کہ یورپی معاشرے میں ہر جگہ پائی جانے والی اقلیت کو کیتھولک چرچ سے بڑھ کر نشانہ بنائے تاکہ اکثریت بمقابلہ اقلیت کی فضا میں اکثریت اسکو اپنا سورما سمجھے۔ وہاں بھی یہ کام پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے ممکن بنایا تھا۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تحفہ اثنا عشریہ کا خلاصہ بعنوان "**ہدیۃ الشیعہ**" لکھا، اس میں شیعہ علماء کی طرف سے لکھی گئی وضاحتوں پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔ سر سید احمد خانؒ نے تحفہ اثنا عشریہ کے دو ابواب کا ترجمہ بعنوان "**تحفہ حسن**" کیا۔ البتہ سر سید احمد خانؒ کو جلد ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ فرقہ واریت کا حصہ بن کر وہ کوئی خدمت نہیں کر رہے، انہوں نے جدید تعلیم کیلئے اینگلو اورینٹل کالج بنایا جس کو راجہ صاحب محمود آبادؒ، مولانا چراغ علیؒ، سید امیر علیؒ، وغیرہ جیسے بااثر شیعوں کی بھرپور حمایت بھی حاصل رہی۔ دیوبندی اکابر کے سرتاج مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے شیعوں کے خلاف جو کتاب لکھی اسکا عنوان تھا، "**مطرقة الكرامه**" یعنی کرامت والا ہتھوڑا، جواب میں مولانا سجاد حسین نے کتاب کا نام رکھا، "**اعجاز داؤدی**"، جس میں حضرت داؤدؑ کے لوہا پگھلانے والے معجزے کی طرف اشارہ تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے دیوبند مکتب فکر کے خلاف مکہ و مدینہ میں عثمانی سلطنت کے علماء سے جو فتویٰ منگوایا اس کو "**حسام الحرمین**" یعنی حرمین کی تلوار کے عنوان سے چھاپہ، اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے "**المهند على المفند**" لکھی جس کے عنوان کا مطلب ہے، "کھسکے ہوئے بڈھے کے سر پر ہندوستان کی تلوار کا وار"، کہ جس میں انہوں نے وہابیت سے بیزاری کا اعلان کیا۔ ان عنوانات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں عوامی توجہ حاصل کرنے کی دوڑ میں علماء کی ذہنی حالت کیا تھی؟ بقول اقبالؒ:۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش

علامہ شبلی نعمانیؒ کی **ندوۃ العلماء** کو یہی سوچ لے ڈوبی کیوں کہ اس کے اجلاسوں میں امام احمد رضا خان بریلوی نے شیعوں کے خلاف ہنگامہ کیا جس کے نتیجے میں شیعہ مجتہدین نے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ ندوۃ العلماء کے فرقہ وارانہ جماعت بننے کے بعد شیعہ مجتہدین نے "**انجمن صدر الصدور**" نامی پہلی شیعہ جماعت قائم کی۔ شیعوں کو نشانہ بنا کر عوام میں قبولیت پیدا کرنے کی نفسیات بعد میں پرویزی فرقے (منکرین حدیث) میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے جو اپنے مخالفین کو عجمی شیعہ سازش کے پیچھے لگا کر خود کو اصلی مسلمان ثابت کرتا ہے۔ بانی دار العلوم دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ: "محرم میں ذکر شہادت حسینؑ کرنا اگرچہ بروایات صحیح ہو، یا سبیل لگانا، شربت پلانا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب ناجائز اور حرام ہے" [رشید احمد گنگوہی، **فتاوٰی رشیدیہ**، ص 435]۔ اسی فضا میں مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے بھی عزاداری پر شرک کا فتویٰ لگایا اور شیعوں کو اسلام کے آنگن میں پڑا پاخانہ قرار دیا [13,14]۔

7. اس دور میں عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے جعلی کرامات اور معجزات بھی پھیلائے گئے۔ اس حوالے سے اکابر دیوبند کی سیرت پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، کیونکہ یہ لوگ برصغیر میں شرک کے فتووں کی سب سے بڑی دکان بھی چلاتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا قاسم نانوتوی کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ انہیں خواب آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں بیٹھے ہیں [**سوانح قاسمی**، جلد اول، صفحہ 132]۔ ایک اور خواب کے مطابق، معاذ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کا جسم مبارک مولانا قاسم نانوتوی کے جسم میں سما گیا [**سوانح قاسمی**، جلد دوم، صفحہ 129]۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے خواب اور کرامات بھی انکی مقبولیت کی ایک وجہ بنے تھے۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ مولانا عطاء اللہ بخاری کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جب قرآن پڑھتے تھے تو پرندے اور جانور رک جاتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی جب حج کیلئے گئے تو یہ جھوٹ مشہور کر دیا گیا کہ انہوں نے روضۂ رسولؐ پر جا کر سلام کیا تھا تو روضہ رسولؐ سے جواب آیا "وعلیکم السلام یا عبدی"، اسی بنیاد پر انھیں مدنی کہا جاتا ہے۔ مولانا احمد علی لاہوری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ ان کو حلال مال سے خریدا گیا ہے یا حرام مال سے، اسی طرح لوگوں کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی؟ یہاں تک کہ لال مسجد کے مولانا عبد العزیز نے مسلح افراد کو اعتماد میں لینے کے لیے کہا تھا کہ مجھے رسول اللہؐ نے خواب میں آ کر بشارت دی ہے کہ میرے شہید ہونے کے بعد پاکستان میں میرے خون کی برکت سے اسلامی انقلاب آ جائے گا۔ بہت سے حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مولانا عبد العزیز لوگوں کو رسولؐ کی زیارت کرواتے ہیں۔ باقی فرقوں میں بھی اس زمانے میں معجزات کے ذکر پر مبنی مضامین اور کتابچے عام تھے۔

انیسویں صدی کے آخر میں شیعہ مخالف پروپیگنڈے کا پہلا نتیجہ افغانستان کے شاہ امیر عبد الرحمن کی طرف سے 1891ء سے 1893ء تک کی جانے والی ہزارہ قبائل کی نسل کشی اور انکی جائیداد کی سنی پشتونوں میں تقسیم اور انکو غلام اور لونڈیاں بناکر فروخت کرنے کا عمل تھا جس کے نتیجے میں افغانستان کے ہزارہ قبیلے کی آبادی میں 60 فیصد تک کمی آ گئی۔ امیر عبد الرحمن خان نے اپنی حکومت کا نظام چلانے کے لیے ہندوستان سے اپنے مسلک کے مذہبی علما منگوائے تھے جنہوں نے شیعوں کے کافر ہونے اور ان کی جان و مال کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ یہ جدید انسانی تاریخ کی پہلی نسل کشی تھی جس کے نتیجے میں پانچ لاکھ انسان لقمۂ اجل بنے۔ اسی دوران میں کچھ ہزارہ خاندان ہجرت کر کے کوئٹہ میں آ گئے جو انگریزوں کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ان کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوا۔ کرم ایجنسی کے شیعہ قبائل افغان شاہ کی ایسی فرقہ وارانہ کاروائیوں کے خوف سے ہندوستان کی انگریز حکومت سے ملحق ہو گئے اور یوں فاٹا کا بندوبست عمل میں آیا۔ ہندوستان میں انگریزوں کے قانون کی مساوات اور بہتر انتظامی اقدامات کی بدولت اس سوچ کو قتل عام کا دائرہ وادی سندھ تک پھیلانے کا موقع نہ مل سکا۔ کرم ایجنسی کے بعد باقی قبائل نے بھی انگریز حکومت کا حصہ بننے کا فیصلہ کیا۔ اس تاریخی عمل جس کا آغاز شیعہ دشمنی سے ہوا، نے مستقبل میں بننے والے ملک پاکستان کی شمال مغربی سرحد کو متعین کیا۔ اس تاریخ کا ہی نتیجہ ہے کہ ریاض بسرا سے لیکر ملک اسحاق اور داود بادینی تک جیسے تربیت یافتہ قاتلوں کو قندھار کے دیوبندی علاقوں میں پناہ ملتی رہی ہے۔

پانچواں دور: لکھنؤ میں پہلا فساد اور تحریک خلافت

بیسویں صدی کا آغاز فرقہ وارانہ کشید گی سے ہوا البتہ اس دوران علامہ اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور علی برادران جیسے رہنما سامنے آنے لگے۔ علامہ اقبالؒ اور مولانا آزادؒ اردو زبان کے بے مثل شاعر اور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی حالات اور سماجی مسائل میں صاحب نظر سنی تھے، البتہ دونوں بزرگوں سے کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ مولانا آزادؒ نے تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے اکبر دور کے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور قاضی نوراللہ شوستریؒ کے بجائے شیخ احمد سرہندی کو نمایاں شخصیت کے طور پر پیش کیا اور ان کے بعد اکثر مصنفین نے انھی کی نقل کی ہے۔ مولانا آزادؒ کی تحریر و تقریر بہت توانا اور پر اثر تھی، لیکن وہ اکثر جوش خطابت میں تاریخی حقائق کے خلاف بات کر جاتے تھے۔ علامہ اقبالؒ بھی مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کیلئے آباء پرستی کی طرف لے گئے جس سے مسلمان اپنے آباء کی غلطیوں سے سبق سیکھنے کے بجائے انکی پیروی کرنے لگے۔ قائد اعظمؒ اسماعیلی شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے لیکن قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد خانگی معاملات اور وراثت کے مسائل میں فقہ جعفریہ سے متاثر ہو کر اثنا عشری شیعہ ہو گئے۔ وہ ایک ذہین وکیل اور سیاستدان تھے لیکن تاریخ انکا میدان نہیں تھا۔ وہ اپنے زمانے کے حالات سے تو بخوبی آگاہ تھے لیکن ماضی کے بارے میں ان کے اقوال محققانہ کے بجائے عوام پسندانہ ہیں جو سیاسی قائدین کی مجبوری بھی ہوتی ہے۔ علی برادران کی والدہ شیعہ تھیں اور بعد میں ان کے والد بھی شیعہ ہو گئے لیکن وہ خود علمائے فرنگی محل کے پیرو سنی تھے۔ اب برصغیر میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کیلئے ایک متبادل قیادت سامنے آگئی، لیکن فرقہ وارانہ منافرت کا جو بیج شاہ ولی اللہ نے امراء کی جنگ کا فریق بن کر بویا تھا، وہ غربت اور کم علمی کے دور میں تناور درخت بن چکا تھا۔

اس دوران لکھنو میں مولانا عبدالشکور لکھنوی سامنے آئے۔ یہ بھی اس دور کے عوامی علماء کی طرح نیم خواندہ تھے۔ انہوں نے شیعہ مخالف مہم میں نیا جوش پیدا کیا۔ متعہ کو قدیم کتب اہلسنت میں نکاح کی ایک قسم قرار دیا جاتا تھا، انہوں نے اسکو زنا قرار دیا۔ تقیہ کو نفاق کے برابر کہا اور شیعوں کو قرآن و نبوت کا منکر قرار دیا۔ اسی دور میں ایک نیا رواج یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص اپنا مسلک تبدیل کرتا تو اس کو دوسرے مسلک کی فتح قرار دیا جاتا۔ اصلی مشکلات کو شکست نہ دے سکنے والے ایسی "فتوحات" پر غصہ ٹھنڈا کرنے لگے۔ 1900ء کے عشرے میں مولانا عبدالشکور لکھنوی اور مولانا مقبول دہلوی کے مناظرے عام تھے۔ ابھی تک اہلسنت میں تعزیہ داری کا رواج موجود تھا، لہذا مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اس بات پر زور دیا کہ عاشورا چونکہ امام حسینؑ کی فتح کا موقعہ ہے لہذا اس دن خوشی منانی چاہیئے۔ یہ شرارت بہت کامیاب ہوئی۔ اب روز عاشورا کو جب شیعہ جلوس تال کٹورہ کے مقام پر "درگاہ امام حسین و کربلا" نامی مشترکہ امامبارگاہ جاتا تو ماتم اور نوحے اور غم کا اظہار کر رہا ہوتا، جبکہ سنی جلوس میں عید میلاد النبیؐ کی طرز پر خوشی کا اظہار ہوتا۔ عاشورا کے دن

بچوں کے جھولنے کیلئے پینگیں اور خریداری کیلئے مختلف قسم کے سٹال لگائے جانے لگے، ایک میلے کا سماں پیدا ہونے لگا۔ غریب ہندو بھی اس موقعے پر اشیائے خورد و نوش بیچنے کیلئے ریڑھیاں لگانے لگے[15]۔ آج کل بھی یہ عمل جاری ہے، مثال کے طور پر یوٹیوب پر اور نگ آباد میں عاشورا کے حوالے سے ویڈیوز تلاش کریں تو ہر دو قسم کی ویڈیوز مل جائیں گی، ایک طرف عزاداری اور ایک طرف جشن! ۔ مولانا عبد الشکور اور ان کے ساتھیوں نے 1906ء میں تال کٹورہ کے سامنے پھول کٹورہ کے مقام پر الگ سنی امام بارگاہ بنام "کربلا" قائم کی۔ انہوں نے اگلی بات یہ کہی کہ اہلسنت عاشورا کے دن کالے کپڑے پہننا ترک کریں اور سفید، زرد یا سرخ لباس پہنا کریں۔ شیعہ روایات کے مطابق سرخ لباس لشکر شام کا تھا، اس سے شہر میں شیعہ سنی تناؤ میں مزید اضافہ ہوا۔ مولانا نے تعزیے کے ساتھ چار یاری پرچم متعارف کرایا اور کربلا کے بجائے "مدح صحابہ" کے عنوان سے جلوس نکالنا شروع کیا۔ چنانچہ محرم میں، جو سب مسلمانوں کیلئے اختلافات بھلا کر شہدائے کربلا کو یاد کرنے کا مہینہ تھا، شیعہ سنی اختلاف کو نمایاں کیا جانے لگا۔ حالانکہ ان کا اس ماہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اختلافی واقعات اس ماہ میں رونما ہوئے تھے۔ 1907ء اور 1908ء میں عاشورا کے موقعے پر لکھنؤ میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے[16]۔ انگریز حکومت نے پیگوٹ کمیٹی کے نام سے انکوئری کمیشن بنایا جس کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے مدح صحابہ کے جلوس کو بدنیتی پر مبنی شرارت قرار دے کر پابندی لگا دی۔ ساتھ ہی انہوں نے عزاداری کے جلوسوں کو رجسٹر کر کے لائسنس جاری کئے تاکہ حکومت کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی جلوس نہ نکلے۔ جلوس پر پابندی لگنے کے بعد مولانا نے محرم میں بزم صدیقی، بزم فاروقی اور بزم عثمانی کے عنوان سے محافل کا انعقاد شروع کر دیا۔ ان محافل میں مسئلہ خلافت جیسے اختلافی مسائل پر تقریریں ہوتیں اور خلافت راشدہ کے زوال کا ملبہ ابن سبا پر ڈال کر شیعوں کو اسکا وارث قرار دیا جاتا۔ محرم میں کربلا کے بجائے اختلافی مسائل پر گفتگو نے اشتعال پھیلا دیا۔ یہ ماحول شیعوں میں مولوی مقبول دہلوی جیسے لوگوں کے پھلنے پھولنے کیلئے نہایت سازگار تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے یوم وصال پر بزم فیروزی کا انعقاد شروع کر دیا۔ علمائے فرنگی محل نے خود کو مولانا عبد الشکور لکھنوی سے دور رکھا البتہ بعض دیوبندی علماء نے انکی بھرپور حمایت کی۔ 1920ء میں دیوبندی عالم مرزا حیرت دہلوی نے **"کتاب شہادت"** کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں حضرات علیؑ و حسنینؑ کی توہین اور ملوکیت بنی امیہ کی وکالت کی گئی تھی۔ بات شیعہ دشمنی سے نکل کے اہلبیتؑ کو نشانہ بنانے تک پہنچ گئی۔

1915ء میں دیوبندی علمائے **"تحریک ریشمی رومال"** کے نام سے معروف ایک مسلح مہم چلانے کی کوشش کی جس کا مقصد افغان شاہ کو پنجاب اور دہلی پر حملے کی دعوت دینا تھا، اس مہم میں برصغیر کے عوام کا کوئی کردار نہ تھا۔ اگرچہ اس سے قبل احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی اللہ کی دعوت قبول کر کے پنجاب اور دہلی کو تاراج کیا تھا لیکن امیر حبیب اللہ خان کے دل میں انگریزوں کی طاقتور حکومت کے ہوتے ہوئے لوٹ مار کرنے کی ہمت پیدا نہ ہوئی۔ نتیجتاً یہ تحریک ان علماء کی گرفتاری کی شکل میں اپنی موت آپ مر گئی۔ البتہ اس تحریک سے حاصل ہونے والے تجربات کے نتیجے میں نومسلم رہنما مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی سوچ میں بہت تبدیلی آئی، یہاں تک کہ انھیں دار العلوم دیوبند سے نکال دیا گیا۔

انہی دنوں پختون علاقوں میں باچا خان نے غریب بچوں کیلئے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں ریاضی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور قرآن و حدیث کی تعلیم کیلئے روایتی سنی علماء کے بجائے دیوبندی علماء کو بھرتی کیا۔ ان علماء نے پختون بچوں میں سید احمد بریلوی کی فسطائیت کے بیج بوئے۔ باچا خان تحریک ریشمی رومال کے قائدین کے مرید تھے، بعد میں انہی علماء کے ساتھ تحریک خلافت میں شریک ہوئے اور آگے چل کر گاندھی جی کے ساتھی بنے۔ اس طرح پختون قوم پرست سیاست میں شروع سے دیوبندی فرقہ وارانہ تنگ نظری شامل ہوگئی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے دین بیزار پختون نژاد پرستوں میں بھی شیعہ دشمنی کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔

جب **تحریک خلافت** کا آغاز ہوا تو جہاں پیر مہر علی شاہ گولڑوی جیسے بعض سنی رہنماؤں نے عثمانی خلافت کو ملوکیت قرار دے کر اسکی مخالفت کی وہیں لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین نے بھی مذہبی بنیادوں پر اسکو مسترد کیا۔ البتہ علی گڑھ میں پڑھنے والے شیعوں نے اس تحریک کی بھرپور حمایت کی اور اپنے علاقوں میں اسکے عہدیدار بھی بنے۔ جمعیت علمائے ہند اور گاندھی جی نے اس تحریک کو اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کیلئے کامیابی سے استعمال کیا۔ شیعہ عوام میں بھی حجاز، عراق اور ایران کے مقدس مقامات پر انگریزوں کے حملوں کی وجہ سے اس تحریک کی حمایت پیدا ہوئی۔ قائداعظمؒ البتہ اس کو ایک بے سمت اور بے مقصد تحریک قرار دے کر اس سے الگ رہے۔ ڈاکٹر حمزہ علوی نے اپنے مضمون "Contradictions of the Khilafat Movement" میں تحریک خلافت پر تفصیل سے بحث کی ہے [17]۔ اس تحریک نے جہاں مسلمانوں میں گاندھی جی کا حامی طبقہ پیدا کیا وہیں شیعہ و سنی کے تناؤ کو کم کیا۔ 1920ء کی دہائی میں شیعہ سنی فساد کا تنور کافی حد تک ٹھنڈا ہو گیا۔ البتہ اس دہائی میں لکھنؤ میں نئے کارخانے لگے جسکی وجہ سے دیہات سے بہت لوگ لکھنؤ میں آکر رہنے لگے اور شہر کی آبادی دوگنی ہوگئی۔ یہ ایک اہم سماجی تبدیلی تھی جس کے اثرات کا ذکر آگے آئے گا۔

1925ء میں حجاز وہابیوں کے قبضے میں چلا گیا اور تیل کی دولت کی کشش میں دیوبندی علماء کی طرف سے وہابیت کے خلاف لکھی گئی کتابوں (**المهند على المفند** اور **شهاب ثاقب**) کے مصنفین نے ہی وہابیت کی حمایت شروع کردی۔ دیوبندی عالم مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے 1926ء میں دیوبندی مکتب فکر کو ترویج دینے کیلئے **تبلیغی جماعت** قائم کی۔ 1927ء میں پشاور میں سلطان الواعظین سید محمد شیرازیؒ نے اہلسنت علماء سے مناظرہ کیا جس کے نتیجے میں پشاور میں شیعیت کو فروغ ملا۔ اس مناظرے کی روداد "**شب ہائے پشاور**" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ 1929ء میں افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان کے خلاف بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں حبیب اللہ کلکانی، جو اپنے لقب "بچہ سقہ" سے مشہور تھا، نے کابل پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ افغانستان میں اس عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پختون دیوبندی قبائل نے منظم ہو کر وادئ کرم پر حملہ اور قتل عام کیا۔ بچہ سقہ کی حکومت نو ماہ بعد ظاہر شاہ کے والد نادر شاہ کے حملے کے نتیجے میں ختم ہوگئی۔

چھٹا دور: مجلس احرار اور مولانا حسین احمد مدنی

اپنے ماحول، دوستوں اور برادری سے دور شہر آنے والے دیہاتیوں کیلیئے مذہبی تنظیمیں سماجی رابطے بنانے اور جدت و تہذیب کے خوف سے نبٹنے کا وسیلہ ہوتی ہیں۔ دیہاتی نوجوان شہر آکر شہری تہذیب کے خلاف اپنا غصہ مذہبی تنظیموں کا حصہ بن کر نکالتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:۔

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے

اس زمانے میں شہروں میں روزگار کے مواقع پیدا ہوئے تو دیہات سے ہجرت کر کے شہروں میں آنے والوں کے ذہنی عدم استحکام سے غنڈہ گرد عناصر نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ 1929ء میں لاہور میں مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا ظفرالملک نے "**مجلس احرار**" نامی غنڈہ گرد تنظیم بنائی۔ مولانا مظہر علی اظہر سابقہ شیعہ تھے جنہوں نے بعد میں دیوبندی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ یہ سپاہ صحابہ عنصر کا ابتدائی ظہور تھا۔ مجلس احرار نے محرم میں مدح صحابہ جلوس کی بدعت پر پابندی کے خلاف تقاریر اور ہنگامے شروع کئے۔ 1931ء میں مولانا عبدالشکور لکھنوی کے فرزند مولانا عبدالشکور فاروقی نے لکھنؤ میں ایک دیوبندی مدرسہ "**دارالمبلغین**" قائم کیا اور دوبارہ محرم کے دنوں میں بزم صدیقی اور بزم فاروقی کا آغاز کر دیا۔ اپنے والد کے برعکس مولانا فاروقی نے اہلسنت کے تعزیے کو بھی تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ مولانا فاروقی ان محفلوں کو شیعہ مدرسہ الواعظین اور عزاداری کے مرکزی روٹ کے سامنے "ڈیوڑھی آغا میر" میں منعقد کیا کرتے [18]۔ اس مرتبہ اہلسنت سے ایک نیا گروہ الگ ہو کر سامنے آیا جنہوں نے کھلم کھلا اہلبیت کے قاتلوں کی مدح شروع کر دی۔ یہ لوگ خود کو فخر سے "خارجی" کہتے تھے [19]۔ 1936ء میں مجلس احرار نے محرم کے موقعہ پر مدح صحابہ کا جلوس بحال کروانے کیلیئے سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ یہ لوگ صدیقی سنی نہ تھے بلکہ اموی سنی تھے۔ بنی امیہ کے خلاف مزاحمت کو ابن سبا نامی نومسلم کی سازش قرار دیتے لیکن بنی امیہ کے خلاف آل ابو بکرؓ میں سے حضرت عائشہؓ، حضرت عبدالرحمن ابن ابو بکرؓ، حضرت محمد ابن ابو بکرؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سمیت حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت عمار یاسرؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عبداللہ ابن عبّاسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی مزاحمت کو چھپاتے تھے۔ مولانا مظہر علی اظہر نے عین روز عاشور کو قصیدہ "ولیوں کے سر کا تاج ہے معاویہ، چبھتا ہے رافضی کو نظام معاویہ" پڑھ کر اہل تشیع کو اشتعال دلایا۔ انہوں نے شیعوں کے خلاف ایک کتاب بعنوان "**تحریک مدح صحابہ**" بھی لکھی۔ اسکے باوجود مجلس احرار عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلیئے مولانا مظہر علی اظہر کو شیعہ کہتی

تھی۔ حالانکہ وہ اتنے ہی شیعہ تھے جتنے مولانا مقبول دہلوی دیوبندی تھے۔ جھوٹ ان علماؑ کا اسلحہ ہے۔ اس وقت ہندوستان میں انتخابات ہوئے تو شیعہ نمائندوں کو ووٹ دینا حرام قرار دیا گیا۔

جمعیت علمائے ہند کیلئے یہ ہضم کرنا مشکل تھا کہ تحریک خلافت کے برعکس اس مرتبہ مسلمان **مسلم لیگ** کی طرف کھنچے جا رہے تھے۔اس دوران **کانگریس** کی حکومت بن چکی تھی، جس نے عید میلاد النبیؐ کے موقعے پر مدح صحابہ جلوس کی اجازت دی، جبکہ وہ بھی شیعہ سنی کا مشترکہ تہوار تھا۔1937ء میں لکھنؤ کے شیعوں نے اشتعال انگیزی اور اسکی حکومتی سرپرستی کے رد عمل میں تبرے کے جلوس نکالنا شروع کر دیئے۔ محرم میں خلافت کے اختلاف پر جھگڑا کرنا اور جنونی انداز میں لعن طعن کرنا اصل میں 1907ء میں اس فتنے کا آغاز کرنے والوں کی منشاء کو پورا کرنا تھا۔اس ماہ کا تعلق ان اختلافات سے نہ تھا۔اس موقع پر شیعہ مجتہد سید ناصر حسین موسوی نے ہوشمندی کا ثبوت نہ دیا اور اہلسنت کی مقدس ہستیوں کی توہین کو حرام قرار دینے کے بجائے اس بے ادبانہ احتجاج کا حصہ بن گئے۔ اس سے سو سال قبل جب سید احمد بریلوی اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے عزاداری پر حملے کئے جاتے تھے تو آیت اللہ دلدار نقویؒ اور مولوی سید محمد باقر دہلویؒ شیعوں کو برائی کا جواب برائی سے دینے اور صفوی انداز میں تبرا کرنے سے منع کرتے تھے۔1938ء میں **جمعیت علمائے ہند** کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنی نے مدح صحابہ بدعت کی قیادت سنبھال لی۔1938ء میں عاشورا کے موقعے پر لکھنؤ میں شیعہ سنی جنگ ہوئی اور متعدد افراد قتل ہوئے۔شہر کے شیعہ اور سنی شہریوں نے آپس میں بول چال، خریداری، آنا جانا بند کر دیا۔ قائد اعظمؒ، جو کہ مسلمانوں کے حقوق کیلئے متحرک ہو چکے تھے، اس فساد کو کانگریس کی سازش سمجھتے تھے کیوں کہ اس کو ہوا دینے والے جمعیت علمائے ہند کے مولانا حسین احمد مدنی کانگریس کے اتحادی تھے۔ قائد اعظمؒ کے خیال میں شیعہ سنی جھگڑے کروانے کا مقصد مسلم لیگ کی طرف سے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے شروع کی جانے والی تحریک کو پردے کے پیچھے دھکیلنا تھا۔چونکہ مسلم لیگ کی قیادت ایک شیعہ وکیل کر رہا تھا[20] اسلئے کانگریس بھی شیعہ سنی فساد سے امیدیں لگائے بیٹھی تھی، لیکن اسکو منہ کی کھانی پڑی۔ علامہ اقبالؒ، جو کہ صوفی مشرب حنفی سنی تھے، انہوں نے اس حساس موقعے پر شیعہ سنی جھگڑوں سے خبردار کرتے ہوئے کہا:-

ای کہ نشناسی خفی را از جلی، ہشیار باش

ای گرفتار ابوبکر و علی، ہشیار باش

حیرت کی بات یہ تھی کہ اس زمانے میں کانگریسی وزیروں کی مسلم دشمنی سامنے آنے کے باوجود مولانا حسین احمد مدنی ہندو مسلم اتحاد کی تو وکالت کرتے تھے مگر مسلمانوں کا داخلی اتحاد توڑنے میں لگے رہتے تھے۔اس تضاد کو حل کرنے کیلئے ہمیں مولانا مدنی کے معاشی مسائل کو سمجھنا ہوگا، مولانا کو دیوبند مدرسہ و جمعیت کا خرچہ پورا کرنا تھا۔ عوام سے چندہ لینے میں فرقہ وارانہ نفرت اور خوف بہت کارآمد ہے۔دوسری طرف مسلم لیگ کے پروگرام کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ

سے جمعیت علمائے ہند کی سیاسی زندگی ختم ہونے کو تھی، لہذا اسے ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگا کر کانگریس کے پروں میں پناہ لینا پڑی۔ گویا رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ قائد اعظمؒ کے ساتھی مرزا ابوالحسن اصفہانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

''مجھے یاد ہے کہ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے جناح کی حمایت کرتے ہوئے مسلم لیگ کو عملی سیاست کے اکھاڑے میں زیادہ فعال حصہ لینے کی تجویز کا خیر مقدم کیا مگر آخری روز ان دو علمائے دین میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ آئندہ عام انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کو یقینی بنانے کی خاطر انتھک اور مؤثر پروپیگنڈے کی ضرورت ہے۔اس مقصد کے حصول کی خاطر دیوبند کی مشینری مسلم لیگ کے لیے وقف کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ لیگ اس پروپیگنڈہ مہم کے اخراجات برداشت کرے۔ابتدائی اخراجات کے لیے پچاس ہزار روپے طلب کیے گئے۔جناح نے صاف بتا دیا کہ نہ تو اس وقت لیگ اتنے پیسے دے سکتی ہے اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔اس پر ہر دو علمائے دین مایوس ہو کر کانگرس کی طرف راغب ہو گئے۔کانگرس چونکہ مالی اعانت کا مطالبہ پورا کر سکتی تھی اس لیے اس کا خوب پروپیگنڈہ کیا گیا''[21]۔

اور نوبت یہاں آ پہنچی کہ علامہ اقبالؒ کے ساتھی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے بقول:۔

''جن کے علم و تقویٰ پر (بزعم خود) مدینے کی مہر ثبت تھی،اُن کی بابت جواہر لال نہرو کا ایک خط شائع ہو گیا کہ حسین احمد کو اتنے روپے دے چکا ہوں، اب وہ اور مانگتے ہیں۔نہرو نے ان کے نام کے ساتھ نہ مولانا لکھا نہ جناب نہ صاحب''[21]۔

علامہ اقبالؒ دیوبندی علماء کی مجبوریوں کو خوب پہچانتے تھے، جب وہ مرض الموت کا شکار ہوئے تو اپنی آخری نظم میں مولانا حسین احمد مدنی ہی کی سوچ پر کاری وار کیا۔اکتوبر 1939ء کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کلکتہ سے لکھنؤ تشریف لائے اور سات دن تک مختلف شیعہ سنی رہنماوں سے ملاقاتیں کیں۔اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ علمائے نے تبرے کے جلوس نکالنا بند کر دیئے[16]۔21فروری1940ء کو دہلی میں عزاداری کے جلوس پر بم سے حملہ کیا گیا[22]۔اس حملے کو عزاداری پر ہونے والا پہلا بم دھماکا کہا جا سکتا ہے۔مولانا عبدالشکور فاروقی 1942ء میں سیڑھیوں سے گر کر فوت ہو گئے البتہ ان کے اور مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد فتنہ پھیلاتے رہے۔قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے آنے والے اکثر شیعہ دشمن علماء، مولانا سرفراز خان صفدر، مفتی محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا عبدالستار تونسوی وغیرہ انہی دو کے شاگرد تھے۔1940ء کی دہائی کی سیاسی گہما گہمی میں مسلمان عوام فسادی علماء سے دور ہو گئے لیکن جمعیت علمائے ہند اور مجلس احرار نے اپنے تئیں فرقہ وارانہ آگ لگانے کی کوششوں کو جاری رکھا۔1944ء میں مہاتما گاندھی قائد اعظمؒ سے مذاکرات کرنے بمبئی آئے تو قائد اعظمؒ نے 7 ستمبر کو حضرت علیؑ کے یوم شہادت کی وجہ سے ملاقات سے

معذرت کی اور مذاکرات 9 ستمبر کو شروع ہوئے۔اس بات پر لکھنؤ میں مجلس الاحرار کے رہنما مولانا ظفر الملک بھڑک اٹھے اور قائداعظمؒ کو کھلا خط لکھ کر کہا:۔

"مسلمانوں کا 21 رمضان سے کوئی لینا دینا نہیں، یہ خالص شیعہ دن ہے۔ اسلام کسی قسم کے سوگ کی اجازت نہیں دیتا۔ درحقیقت اسلام کی روح اس قسم کے یہودی تصورات کے بالکل خلاف ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ خوجہ کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک شیعہ گروہ ہے، لیکن آپ کو مسلمانوں پر ایک شیعہ عقیدہ تھوپنے کا کوئی حق نہیں"[23]۔

قائداعظمؒ نے اس خط کے جواب میں لکھا:۔

"یہ شیعہ عقیدے کی بات نہیں، حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ بھی تھے۔اور میں جانتا ہوں کہ حقیقت میں اکیس رمضان کا دن اکثر مسلمان، شیعہ سنی اختلاف سے بالاتر ہو کر مناتے ہیں۔ مجھے آپ کے رویے پر تعجب ہوا ہے"[23]۔

اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ قائداعظمؒ کی مذہبی آزادی کا بھی احترام نہیں کرتے تھے، ان کے غم و خوشی کے ذاتی جذبات کو بھی اپنی سوچ کے تابع کرنا چاہتے تھے۔ فرنگی محل لکھنؤ سے اہلسنت نے آپ کو خط لکھ کر مولانا ظفر الملک کی اس حرکت کی مذمت کی اور آپ کو مکمل حمایت کا یقین دلایا[24]۔1930ء کی دہائی میں ہونے والے فسادات میں نئی باتیں یہ تھیں:۔

1. محرم کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی فسادات ہونے لگے۔
2. فسادات لکھنؤ کے گرد و نواح تک محدود نہ رہے بلکہ پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔ پنجاب میں انگریز دور میں کئی مقامات پر شیعہ تقریبات پر پتھراؤ اور حملے ہوئے۔البتہ ریاست حیدرآباد دکن میں میر عثمان علی خان کی حکومت نے فسادات کو پنپنے نہ دیا۔ انہوں نے مدح صحابہ اور تبرا، دونوں پر پابندی لگائی۔

قائداعظمؒ کے چودہ نکات اور گول میز کانفرنسوں کے نتیجے میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے طور پر سامنے آرہی تھی لیکن قائداعظمؒ، ابوالحسن اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد کے شیعہ ہونے کی وجہ سے مجلس احرار اور جمعیت علمائے ہند نے مسلم لیگ کے خلاف گھٹیا مہم چلائی۔ قائداعظمؒ کی مرحومہ زوجہ رتی جناح، جنہوں نے شادی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور جن کی وفات کے بعد ان کو شیعہ طریقے سے بمبئی کے خوجہ اثنا عشری قبرستان میں دفن کیا گیا تھا، کو جمعیت علمائے ہند نے کافرہ کہنا شروع کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے **"سول میرج اور لیگ"** کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں قائداعظمؒ پر الزام لگایا کہ انہوں نے سول میرج ایکٹ کے مطابق ایک غیر مسلم عورت سے شادی کی تھی، جس کے جواب میں مسلم لیگ نے محترمہ رتی جناحؒ کے قبول اسلام کے ثبوت شائع کئے۔ یہ سب

ایسے ماحول میں ہو رہا تھا جب کانگریس اور جمعیت کے کئی مسلم ممبران نے ہندو خواتین سے شادیاں کر رکھی تھیں۔ مثال کے طور پر جمعیت علمائے ہند کے رکن بیرسٹر آصف علی نے بنگالی ہندو خاتون، محترمہ ارونا، سے شادی کر رکھی تھی جو کبھی مسلمان نہ ہوئیں۔ ڈاکٹر خان صاحب نے ایک انگریز خاتون، جو علی الاعلان غیر مسلم تھیں، سے شادی کر رکھی تھی اور انکی بیٹی نے ایک سکھ لڑکے سے "سول میرج ایکٹ" کے تحت شادی کی تھی۔ وہ چونکہ کانگریس کے اتحادی تھے اسلئے مولانا مدنی نے انکی شادیوں پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بعد ازاں جب مولانا آزادؒ کی زوجہ فوت ہوئیں تو مسلم لیگ کے نوجوانوں نے لوگوں کو ان کے جنازے میں شرکت سے باز رہنے کا کہہ کر اس توہین کا بدلہ لیا، یہ بھی ایک غیر اخلاقی حرکت تھی لیکن پھر بھی وہ کانگریسی علمائ جتنے نہ گرے کہ کافرہ کہتے۔

تصویر۔3: بمبئی کے خوجہ اثنا عشری قبرستان میں محترمہ رتن بائی جناحؒ کی آخری آرامگاہ

مجلس احرار کے مولانا مظہر علی اظہر نے مولانا مدنی کے اسی پروپیگنڈے کو ہی آگے بڑھاتے ہوئے اپنی ٹوٹی پھوٹی شاعری میں قائداعظمؒ کو کافراعظم کہا:۔

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا

یہ قائداعظم ہے کہ کافراعظم؟

مولانا مودودی نے قائداعظمؒ کو رجل فاجر اور احمقوں کی جنت کا بانی قرار دیا[25]۔ لیکن تحریک خلافت کے ڈسے ہوئے مسلمان عوام کی اکثریت پر ان علمائ کی حماقت پوری طرح واضح تھی، وہ ان پر دوبارہ اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کر سکتے تھے۔ برصغیر کے اکثر مذہبی علمائ اسلئے اہمیت تو رکھتے ہیں کہ وہ احادیث اور فقہ کی پرانی کتابوں کے ماہر ہوتے ہیں،

مگر ماضی قریب کی تاریخ، قانون، سیاست اور معیشت کے بارے میں انہوں نے باقاعدہ کوئی تعلیم حاصل نہیں کی ہوتی اور سیاست سے انکی آگاہی فقط اخبارات پڑھنے کی حد تک ہوتی ہے۔ اس وجہ سے سیاسی میدان میں انکی سوجھ بوجھ کسی ان پڑھ آدمی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ان دنوں ہندوستان کے تعلیم یافتہ افراد تاریخ کا تجزیہ کرنے اور آزادی کے خواب دیکھنے لگے تو نواب سراج الدولہؒ اور ٹیپو سلطانؒ کا ذکر اچھے عنوانات سے ہونے لگا۔ شیعہ دشمن علمائ نے شاہ عبدالعزیز کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ کو اپنا اسلحہ قرار دیا اور ہندوستان کے اہل تشیع کی تاریخ کو مسخ کر کے سنیوں کو شیعوں سے بد ظن کرنے کے سلسلے کا آغاز کر دیا[16]۔ سراج الدولہؒ سے غداری کرنے والے میر جعفر کا مسلک شیعہ تھا، اس کے مسلک کو جلسوں اور تحریروں میں نمایاں کیا جانے لگا۔ لیکن یہ بات چھپادی جاتی کہ خود نواب سراج الدولہؒ بھی شیعہ تھے اور شاہ ولی اللہ نے اسی لیے انکی حمایت میں ایک فتویٰ بھی جاری نہ کیا۔ دوسری طرف ٹیپو سلطانؒ سے غداری کرنے والے پورنیا اور میر صادق میں سے میر صادق کو شیعہ کہا جانے لگا حالانکہ وہ سنی تھا۔ خود ٹیپو سلطانؒ اور انکے والد حیدر علیؒ صوفی مشرب سنی تھے لیکن انہی کے دور میں ایران سے آنے والے جنگی گھوڑے پالنے والے تاجروں اور شیعہ علمائ کی بدولت شیعہ مسلک میسور میں متعارف ہوا، اور سرنگاپٹم کے قلعے میں عزاداری ہونے لگی تھی۔ سلطنت خداداد کے سپاہ سالار سید غفورؒ شیعہ تھے اور آخری وقت میں سادات کے باوفا دستے کے ہمراہ سلطانؒ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ سرنگاپٹم کے اجڑنے کے بعد شہید ہونے والے سادات کے خاندان میسور شہر چلے گئے، جہاں 1812ء میں اس علاقے کی پہلی امامبارگاہ "عاشور خانہ رشک بہشت" قائم ہوئی، جو آج بھی موجود ہے۔ ٹیپو سلطان نے جہاں خلفائے راشدین کے نام پر کرنسی کے سکے جاری کئے وہیں بارہ آئمہؑ کے نام کے سکے بھی جاری کئے۔ اکبر اعظمؒ کی طرح سلطانؒ بھی سیکولر مسلمان تھے۔ انہوں نے مساجد کے ساتھ ساتھ مندر اور چرچ بھی بنوائے، غیر مسلموں کو ذمی قرار دینے کے بجائے برابر کا شہری قرار دیا۔ انہوں نے جدید علوم کی سرپرستی کی، راکٹ پہلی بار سلطنت خداداد میسور میں بنا تھا۔ جس وقت ٹیپو سلطانؒ انگریزوں کے ساتھ جنگوں میں مشغول تھے، اس وقت دہلی میں شاہ ولی اللہ کے بیٹوں نے انکی حمایت میں کوئی فتویٰ جاری نہ کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ جب انہوں نے اپنی مدد کیلئے سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ عبدالحمید اول کو خط لکھا تو خلیفہ نے انکی مدد سے انکار کر دیا۔ فرانس کے نپولین کی طرف سے سلطانؒ کو لکھا گیا خط مسقط میں انگریزی نمائندوں کے حوالے کر دیا گیا۔ سلطانؒ امریکا کی جنگ آزادی کی طرز پر فرانس کے ساتھ اتحاد کر کے ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ اس خط کی اطلاع ملنے پر ہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدرآباد دکن کے سنی حکمران اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر سلطانؒ پر بھرپور حملے کی تیاری شروع کی تھی۔ سب غداروں کو شیعہ قرار دینا اور سراج الدولہؒ اور سید غفورؒ جیسے شیعہ ہیروز کا مسلک چھپانا تنگ نظر علمائ کا وطیرہ رہا ہے۔

لکھنؤ کے فسادات کے بعد حالات کس نہج تک پہنچ گئے تھے اس کا اندازہ محرم کے دوران اخبارات میں چھپنے والی خبروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ نارمن ہولسٹر اپنی کتاب "دی شیعہ آف انڈیا" میں لکھتے ہیں:۔

"محرم میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان جھگڑے معمول بن چکے ہیں۔ شہروں میں پولیس کو جلوس کے ساتھ جانا پڑتا ہے، جلوس بھی مخصوص راستوں سے ہی گزر سکتا ہے۔ ایک اخبار میں چھپنے والے یہ جملے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتے ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ اگر حکومت حالات کو کنٹرول میں نہ رکھے تو کیا کچھ ہو سکتا ہے:۔

'مناسب اقدامات نے ناخوشگوار واقعات کو ہونے سے پہلے روک لیا'، 'محرم پرامن طریقے سے گزرا'، 'سب دکانیں بند رہیں تاکہ امن برقرار رہے'، 'الٰہ آباد سے بیس کلو میٹر دور متعدد خواتین نے جلوسِ عزا کے سامنے ڈیرہ ڈال دیا، وہ اپنے علاقے سے جلوس گزرنے پر احتجاج کر رہی تھیں'، 'امن دشمنوں کی طرف سے متوقع فساد کو روکنے کیلئے پولیس نے مناسب اقدامات کئے'، 'مہندی کے جلوس پر پولیس کا لاٹھی چارج، مسلمان محرم نہ منا سکے، تعزیہ کا جلوس برآمد نہ ہو سکا، ہندو اکثریت والے علاقوں میں کاروبار جاری رہا'، 'جلوسِ عزا پر بم حملہ'،

اگرچہ اس قسم کے سب واقعات کی وجہ فرقہ وارانہ تعصب نہیں، لیکن اکثر واقعات کے پیچھے فرقہ واریت ہی ہے۔ برڈ ووڈ کے بقول بمبئی میں، جہاں ماہ محرم کے پہلے چار دن مختلف گروہ دوسروں کے تابوت خانوں میں جا کر سلام کرتے ہیں، خواتین اور بچوں سمیت لوگ وہاں جاتے ہیں، لیکن پولیس نے ہدایت کی ہے کہ سنیوں کو نہ آنے دیا جائے تاکہ کوئی دہشتگردی کا واقعہ نہ ہو جائے"[22]۔

شیعہ انگریز دور میں ہی تقیہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ چنانچہ نارمن ہولسٹر صفحہ 181 پر لکھتے ہیں کہ:۔

"کچھ عشروں تک مردم شماری میں شیعہ اور سنی مسلمانوں کو الگ الگ گنا جاتا رہا۔ 1911ء اور 1921ء کی مردم شماری میں اکثر ریاستیں اور صوبے شامل تھے، لیکن نتائج غیر تسلی بخش تھے۔ مثال کے طور پر 1921ء میں بہار اور اڑیسہ کی مردم شماری میں صرف تین ہزار سات سو افراد نے خود کو شیعہ ظاہر کیا جبکہ مردم شماری کے سپرنٹنڈنٹ کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ: 'یقینی بات ہے کہ یہ اعداد و شمار مکمل نہیں ہیں کیوں کہ بہت سے شیعوں نے اپنا مسلک ظاہر کرنے سے اجتناب برتا'۔ پٹنہ کی قانون ساز کونسل میں مردم شماری سے ایک دن پہلے ایک شیعہ رکن اسمبلی نے یہ اعلان کیا کہ شیعہ مسلکی بنیادوں پر اپنا الگ اندراج نہیں کروائیں گے۔ اس وقت لگائے گئے اندازے کے مطابق شیعہ آبادی کم از کم سترہ ہزار، یعنی مردم شماری میں ظاہر ہونے والی تعداد سے پانچ گنا زیادہ تھی۔ پٹنہ شہر میں اندازہ دس ہزار کا تھا جبکہ مردم شماری میں صرف ایک ہزار افراد نے اپنا شیعہ ہونا ظاہر کیا۔ چنانچہ 1931ء اور 1941ء کی مردم شماری میں شیعوں کا الگ اندراج کرنے کی کوشش ترک کر دی گئی"۔

پختون علاقوں میں بھی صورت حال ایسی ہی تھی۔ پشتو کے عظیم شاعر غنی خان اپنی کتاب ''پشتون'' کے دسویں باب ''سیاست'' میں لکھتے ہیں:۔

''وادیٔ تیراہ میں سنی مسلمانوں کی ایک وسیع، متحرک اور نر آبادی ہے جبکہ ایک چھوٹی، ذہین اور چالاک شیعہ اقلیت بھی بستی ہے۔ دونوں فرقے خالص آفریدی خون اور وجود کے مالک ہیں۔ وہ (برطانوی) ہند اور افغانستان کے بیچ میں آ گئے ہیں اور انھیں اسکی قیمت بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ جب (افغان بادشاہ) امان اللہ خان نے تھوڑا سر اٹھایا اور جیسا کہ وہ تھا، ایک لاپرواہ اور لاابالی پٹھان جو کودپڑتا ہو، گورے صاحبوں کو یہ پسند نہ آیا۔ اور جب امان اللہ اپنی ملکہ کے ہمراہ یورپ کے مراکزِ اقتدار میں ڈانس کر رہا تھا، حسد اور مہم جوئی نے بھوک اور جہالت اور مسیحی سونے کی چمک کے ساتھ مل کر افغانستان کے مرکزِ اقتدار میں تباہ کن لشکر کی شکل اختیار کر لی تھی۔

تیراہ کے شیعہ اپنے پڑوسیوں سے زیادہ ذہین تھے۔ امان اللہ کھلے ذہن کا آدمی اور اسلام کے مختلف فرقوں کو برداشت کرنے والا شخص تھا۔ تیراہ کے شیعہ اس سے محبت کرتے اور اسکی حمایت کرتے تھے۔ وہ جوان بادشاہ کی حمایت میں جنوب سے دفاعی لشکر بھیجنے کو تیار تھے۔ لیکن ٹھہریئے! افغان مولویوں کی رنجش کے ساتھ ساتھ تیراہ میں بھی فصیح و بلیغ مولوی منظرِ عام پر آئے، لیکن وہ شیعوں کے بجائے سنیوں سے مخاطب تھے۔ اور ایسے میں جب افغانستان کی علم میں ڈوبی داڑھیاں اور بھاری پگڑیاں نوجوان بادشاہ کے غیر اسلامی، غیر پختون اور ''عیسائی'' طور طریقوں کے خلاف تقدس بھرے غیظ و غضب سے ہل رہی تھیں، تیراہ میں وہ شیعوں کے خلاف جنبش میں آئیں، جنہیں حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا قاتل قرار دیا گیا۔ عشاقِ عثمان کی اکثریت برطانوی ہندوستان کے سیٹلڈ ایریاز (پختون شہری علاقوں) سے آئی تھی۔ شیعہ قتل کرنے والے کو جنت اور حوروں کی نوید سنائی گئی۔ آفریدیوں نے اس پر کان دھرے۔ سونے اور حوروں کی پیشکش ان کیلئے بہت پر کشش تھی۔ انہوں نے اپنی رائفلیں سنبھالیں اور جنت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد جو ہوا وہ نہ صرف شیعوں، بلکہ مویشیوں اور درختوں کی خوفناک تباہی تھی۔ جن وادیوں میں شیعہ رہتے تھے، وہ ویران ہو گئیں۔ ان کے میوہ جات کے باغات کے بے شمار درخت کاٹ ڈالے گئے۔ سینکڑوں سال پرانے بادام اور چنار کے درخت چلتی ہوئی آریوں کا شکار ہوئے۔ شیعہ ایسے تباہ ہوئے کہ انہیں امان اللہ خان کی حمایت کا خیال بھی بھول گیا۔

انہوں نے اپنے عقل کی قیمت اپنے خون اور آنسوؤں سے ادا کی، اور امان اللہ نے اپنی بصیرت کی قیمت اپنے تاج و تخت سے ادا کی۔ اپنی آزادی کے اظہار کی جرات کرنے کے جرم میں وہ اپنی واحد سلطنت سے اور افغانستان اپنے اکلوتے (صحیح

معنوں میں) بادشاہ سے ہاتھ دھو بیٹھا۔اور ایک ارمان کی مدد کرنے کے جرم میں شیعہ اپنے بچوں اور باغات سے محروم ہو گئے۔ایک بے حس، زیرک اور موثر منصوبہ بندی کی مدد سے کیا گیا بے رحمانہ عمل !

میں یہ فیصلہ کرنا آپ پر چھوڑتا ہوں کہ اس خون ریزی، دہشت، سیاہی اور نفرت سے کس نے فائدہ اٹھایا؟

یہ قبائلی علاقوں میں اس قسم کی ہزاروں داستانوں میں سے محض ایک داستان ہے۔اسکا ایک ایک لفظ سچ ہے۔کچھ سنیوں کو شاید پتا نہ ہو کہ کس نے ان کو استعمال کیا لیکن شیعوں کو خوب معلوم ہے کہ ان پر کس نے ضرب لگائی۔کچھ پختون امان اللہ کو بچانے میں ناکام رہے، لیکن وہ جانتے ہیں کہ کیوں؟''۔

ساتواں دور: تنظیم اہل سنت

تحریک پاکستان کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوااور کانگریسی علمائ کی فرقہ وارانہ تنگ نظری ان کے اپنے گلے پڑ گئی تو مجلس احرار اور جمعیت علمائے ہند نے مسلمان عوام کو دھوکہ دینے کیلیئے فرقہ وارانہ سرگرمیوں کو الگ نام سے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔1944ء میں لاہور کے نواحی قصبے امر تسر میں "**تنظیم اہل سنت**" کے نام سے ایک شیعہ مخالف دیوبندی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔آگے چل کر اس جماعت نے کئی مرتبہ اپنی شناخت اور نام کو بدلا۔1946ء میں پنڈت نہرو کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کابینہ مشن کی ناکامی اور قائدا عظمؒ کے "راست اقدام" کے بعد قیام پاکستان کو یقینی پا کر 26اکتوبر1946ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ کے متوازی سیاسی جماعت "**جمعیت علمائے اسلام**" قائم کی۔ یوں ایک سرد جنگ شروع ہو گئی کیونکہ دیوبندی علمائ قائدا عظمؒ کے جدید نظریات پر مبنی تصور پاکستان کو غلط سمجھتے تھے۔ پاکستان کے قیام سے پہلے ہی دیوبندی علمائ نے شیعوں کی نماز جنازہ پڑھنے کو حرام قرار دے رکھا تھااور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی شیعوں کے لیے یہی سوچ رکھتے تھے۔لہٰذا قائدا عظمؒ کی پہلی نماز جنازہ گورنر ہاؤس میں ان کے اپنے مسلک کے مطابق پڑھی گئی[24] مگر جب عوام میں نماز جنازہ پڑھانے کی باری آئی تو حکومت نے مولانا شبیر احمد عثمانی کو طلب کیا تاکہ بعد میں جنازہ پڑھنے والوں کے خلاف کوئی فتویٰ نہ دے سکیں۔اسکے باوجود "**فتاویٰ مفتی محمود**" میں شیعہ مسلمانوں کا جنازہ نہ پڑھنے کے فتووں ذیل میں قائدا عظمؒ کے شیعہ ہونے کی وجہ سے مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف سے ان کا جنازہ پڑھنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے[26]۔قیام پاکستان کے بعد آنے والے پچاس لاکھ مہاجرین یہاں کی آبادی کا دس فیصد تھے۔ان میں سے بعض لکھنؤ کے چالیس سالہ فرقہ وارانہ جنون کی میراث اپنے ساتھ لائے تھے، مدح صحابہ اور تبرا کا فتنہ دوبارہ کھڑا کیا جانے لگا۔ تحریک آزادی کا جوش کم ہوا تو تنظیم اہل سنت کے مولانا نورالحسن بخاری، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا عبدالستار تونسوی وغیرہ نے پاکستان بھر میں شیعہ مخالف جلسے کیے اور لوگوں کو فسادات کے لیے اکسایا۔ لہٰذا قیام پاکستان سے بعد ہی فرقہ وارانہ فسادات دوبارہ شروع ہو گئے۔1949ء میں چوٹی زیریں اور 1950ء میں نارووال میں عزاداری پر حملے ہوئے۔ 1951ء میں پنجاب اسمبلی کے الیکشن میں شیعہ امیدواروں کے خلاف فرقہ وارانہ بنیادوں پر مہم چلائی گئی اور انھیں کافر قرار دیا گیا[27]۔ ستم ظریفی یہ کہ 24جنوری 1951ء میں کراچی میں دیوبندی علمائ نے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لیے 22نکات ترتیب دیئےاور اس جلسے میں عوام کو دھوکہ دینے کیلیئے شیعہ علمائ کو بھی شامل کیا گیا، لیکن زمینی حقائق کچھ اور ہی بتارہے تھے۔ 1953ء میں قادیانیوں کے خلاف چلنے والی مہم میں بھی شیعہ علمائ شامل کئے گئے۔

دو سالوں کے لیے دیوبندی علمائ کی توجہ ختم نبوت کے معاملے پر مرکوز رہنے کی وجہ سے شیعوں پر کوئی حملہ نہ ہوا۔ شیعہ مخالف حملوں کا دوبارہ آغاز 1955ء میں ہوا جب پنجاب میں پچیس مقامات پر عزاداری کے جلوسوں اور امام بارگاہوں

پر حملے کیے گئے جن میں سینکڑوں لوگ زخمی ہوئے۔اسی سال کراچی میں ایک مولانا صاحب نے افواہ اڑائی کہ شیعہ ہر سال ایک سنی بچہ ذبح کر کے نیاز پکاتے ہیں، اس افواہ کے زیر اثر کراچی میں ایک بلتی امامبارگاہ پر حملہ ہوا اور بارہ افراد شدید زخمی ہو گئے[27]۔اسی دوران نصاب تعلیم میں شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی کی سوچ شامل کی گئی۔ پاکستان میں دہشتگردی مکتب دیوبند کی اس ہمہ جہت ثقافتی یلغار کا ایک حصہ ہے جو قیام پاکستان کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔1957ء میں ملتان کے ضلع مظفر گڑھ کے گاؤں سیت پور میں محرم کے جلوس پر حملہ کر کے تین عزاداروں کو قتل کر دیا گیا۔ حکومت کی طرف سے عدالتی کمیشن قائم کیا گیا اور اس واردات میں ملوث پانچ دہشت گردوں کو سزائے موت دی گئی۔اسی سال احمد پور شرقی میں عزاداری کے جلوس پر پتھراؤ کے نتیجے میں ایک شخص جان بحق اور تین شدید زخمی ہوئے۔ جون 1958ء میں بھکر میں ایک شیعہ خطیب آغا محسنؒ کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل نے اعترافی بیان میں کہا کہ مولانا نور الحسن بخاری کی تقریر نے اس کو اس جرم پر اکسایا تھا جس میں شیعوں کو قتل کرنے والے کو غازی علم دین شہید سے نسبت دی گئی تھی اور جنت کی بشارت دی گئی تھی[27]۔مولانا نور الحسن بخاری کو کوئی سزا نہ ملی، جس سے فسادی علمائ کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

تصویر۔4: ٹھیری میں عاشورا 1963ء کے سانحے میں شہید ہونے والے افراد کی قبریں

پاکستان کی ابتدائی تاریخ میں 1963ء کا سال سب سے زیادہ خونریز ثابت ہوا۔اسی سال جنرل ایوب نے مذہبی سیاسی جماعتوں کے بعض مطالبات تسلیم کئے تھے۔3جون 1963ء کو بھاٹی دروازہ لاہور میں عزاداری کے جلوس پر پتھروں اور چاقوؤں سے حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں دو عزادار قتل اور سو کے قریب زخمی ہوئے[27]۔ نارووال، چنیوٹ اور کوئٹہ میں بھی عزاداروں پر حملے ہوئے۔اس سال دہشت گردی کی بدترین واردات سندھ کے ضلعے خیر پور کے گاؤں ''ٹھیری'' میں پیش آئی جہاں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق عاشورا کے دن 120 عزاداروں کو کلہاڑیوں اور تلواروں کی مدد سے ذبح کیا گیا[27,28]۔ سولہ جون کو لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کے مفتی محمود، شورش کاشمیری اور مولانا غلام غوث ہزاروی وغیرہ نے اس قتل عام کی حمایت میں جلسہ کیا جس میں اس قتل عام کا ذمہ دار مقتولین کو قرار

دیا اور عزاداری پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔ انہوں نے حکومت کی طرف سے ان واقعات پر افسوس کے اظہار کو شیعہ نوازی قرار دیا۔ان جرائم میں ملوث افراد کو آج تک کوئی سزا نہ مل سکی نہ ہی تنظیم اہلسنت پر پابندی لگی۔

اس وقت تک شیعہ دشمنی میں اتنی شدت آچکی تھی کہ 11 جولائی 1967ء کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے جنازے پر ایک شدت پسند گروہ نے پتھراؤ شروع کر دیا جس کے خلاف پولیس کو آنسو گیس کا استعمال کرنا پڑا۔انکی پہلی نماز جنازہ ان کے اپنے مسلک، یعنی اثنا عشری شیعہ، کے مطابق ہوئی لیکن عوام میں سنی جنازہ پڑھانے کیلئے بڑی مشکل سے بدایونی نامی سنی عالم راضی ہوئے تھے۔ جنرل ایوب خان نے اپنی یاداشتوں میں اس ہنگامے کا ذکر کیا ہے [29]۔

ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں جھنگ، کراچی، لاہور، چکوال، ڈیرہ غازی خان، ملتان، شیخوپورہ، پاراچنار اور گلگت میں عزاداروں پر حملے ہوئے [27]۔ دیوبندی علمائے نے شیعوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ جاری رکھا۔اکوڑہ خٹک سے نکلنے والے مجلے "**ماہنامه الحق**" میں مولانا سمیع الحق کے ستر کی دہائی میں لکھے گئے اداریے اور مضامین، جیسا کہ بھٹو حکومت کی طرف سے شیعہ بچوں کیلئے الگ اسلامیات کے مطالبے کے تسلیم کئے جانے کے خلاف لکھی گئی تحریریں،ان لوگوں کی تنگ نظری کا ایک نمونہ ہیں۔ مولانا سمیع الحق نے مشرقی پاکستان کی جدائی کو بھی شیعوں کی سازش قرار دینے کی کوشش کی، حالانکہ بنگلہ دیش میں شیعہ آبادی نہ ہونے کے برابر ہے اور نواب سراج الدولہؒ اور ان کے خاندان کی حکومت کے زمانے میں مرشد آباد میں ہی شیعیت کو فروغ مل سکا تھا۔ مولانا سمیع الحق نے تاریخی تہمتوں کا بھی سہارا لیا، جیسے ابن علقمی پر ہلاکو خان کو بغداد پر حملے کی دعوت دینے کا الزام، حالانکہ اس تہمت کو سعودی محقق سعد بن محمد حذیفہ الغامدی نے ایک مستقل کتاب "**سقوط الدولة العباسية ودور الشيعة بين الحقيقة والاتهام**" لکھ کر غلط ثابت کیا ہے۔ ابتدائی دو عشروں میں بات صرف قتل و غارت تک محدود نہیں تھی، نفرت پر مبنی لٹریچر کا تنور بھی دہک رہا تھا۔ مرزا حیرت دہلوی اور عبدالشکور فاروقی کی کتابیں کم تھیں کہ محمود احمد عباسی اور ابو یزید بٹ کی کتابوں نے اشتعال انگیزی کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ بعد میں مسلک اہل حدیث کے علامہ احسان الہی ظہیر نے جلتی پر مزید تیل چھڑکا۔ان عشروں میں ایک دیوبندی عالم، مولانا محمد اسماعیل دیوبندی، نے شیعہ مسلک قبول کر لیا۔انہوں نے "تنظیم اہلسنت" نامی جماعت کے قائدین سے متعدد مقامات پر مناظرے کئے اور ان کے نفرت انگیز کتابچوں کے جوابات دیئے۔ البتہ وہ خود بھی مقبول دہلوی کی طرح نفرت انگیز تھے، جسکی وجوہات پہلے بیان کی جاچکی ہیں۔

ساٹھ کی دہائی کی اہم ترین پیشرفت سوشلزم کی لہر تھی جس نے عوام میں دیوبندی علمائے کے اثر ورسوخ کو کم کیا۔اسی وجہ سے 1965ء سے 1977ء تک کے عرصے میں شیعہ مخالف تشدد میں نمایاں کمی نظر آتی ہے۔24 فروری 1970ء کو 113 علمائے نے سوشلسٹ جماعتوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا جس پر سید محمد دہلوی اور مفتی جعفر حسین جیسے اہم شیعہ علمائے نے بھی دستخط کر دیئے۔ اسکے باوجود عوام نے بھٹو صاحب کو ووٹ دیئے جنہوں نے اقتدار میں آکر سیکولر سوشل ڈیموکریسی کے خواب کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

آٹھواں دور: بھٹو اور افغان انقلاب

افغانستان نے 1973ء میں پشتونستان کے نام پر پاکستان کے پختونوں کو استعمال کر کے ملک توڑنے کی سازش بنائی جس کے جواب میں پاکستان نے افغان حکومت کے مخالف اخوان کو مدد دینا شروع کی تھی۔ اس طرح نام نہاد "افغان مجاہدین" کے ساتھ پاکستانی حکومت کے تعلقات 1974ء میں ہی استوار ہو گئے۔ جمعہ خان صوفی نے اپنی کتاب "**فریب ناتمام**" میں ان سب واقعات اور افغانستان کی پسماندگی کی تفصیل لکھی ہے۔ پشتونستان تحریک اصل میں بنگلہ دیش کی آزادی سے متاثر ہو کر چلائی گئی تھی، لیکن اس کو چلانے والے ولی خان جیسے پختون قوم پرست قائدین بنگلہ دیش اور وادئ سندھ میں فرق کو سمجھ نہیں سکے تھے۔ وادئ سندھ کے تمام علاقے آپس میں اس قدر مضبوط معاشی، ثقافتی اور جغرافیائی تعلق رکھتے ہیں کہ پاکستان کو مزید ٹکڑوں میں تقسیم کرنا دیوانے کا خواب ہے۔ پاکستانی پختونوں نے اس تحریک کو مسترد کر دیا۔ ناامید ہو کر ان لوگوں نے لاہور اور پشاور میں دھماکے کیے۔ پشتونستان تحریک کے پیچھے ایک اہم عامل ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے پشتون قوم پرستوں کا بے جا قتل بھی تھا۔ ستر کی دہائی کے آغاز سے ہی روس نے افغانستان میں مداخلت تیز کر دی تھی، اور کمیونزم سے قربت بھی پشتون قوم پرستوں کو علیحدگی پسند بنانے میں معاون ثابت ہوئی۔ ایسے عوامل کا لازمی نتیجہ افغان جہاد نامی خانہ جنگی تھا۔

جب جولائی 1977ء میں جماعت اسلامی کی فکر سے متاثر جنرل ضیاء الحق نے مارشل لا نافذ کیا تو اگلے محرم، فروری 1978ء میں لاہور میں 8 جبکہ کراچی میں 14 شیعہ قتل ہوئے[30]۔ جب بھی سیاسی فضا مذہبی سیاسی جماعتوں کے حق میں ہوئی، شیعہ کشی میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں شیعہ مخالف تشدد میں شدت اس وقت آئی جب 27 اپریل 1978ء کو افغانستان میں "**انقلاب ثور**" آیا۔ اس انقلاب کی جڑیں عوام میں نہ تھیں لہذا اگلے سال افغانستان کی کمیونسٹ حکومت نے روس کو مداخلت کی دعوت دی۔ اس اقدام کے نتیجے میں افغانستان غیر مستحکم ہو گیا۔ جب کوئی ریاست ٹوٹتی ہے تو وہ ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے لیے جنت بن جاتی ہے۔ انگریزوں کو ایک مرتبہ پھر اپنے دشمن سے لڑنے کیلئے سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی جیسے کٹھ پتلی جہادیوں کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ افغانستان میں کمیونزم کا راستہ روکنے کیلئے امریکا کی دولت اور سرپرستی میں پاکستان نے افغان مجاہدین کو ٹریننگ، اسلحہ اور پناہ فراہم کرنا شروع کی۔ پختون قبائل میں پہلے ہی امیر عبدالرحمن خان کے زمانے سے شیعہ مخالف جذبات پائے جاتے تھے۔

اگلے سال فروری 1979ء میں ایران میں انقلاب آیا جس نے شیعہ مسلک کو عالمی سیاسی بساط پر متعارف کرایا۔ بات صرف ایرانی انقلاب کی قیادت کے شیعہ ہونے کی نہیں تھی، ایران کی مذہبی قیادت نے انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران سے باہر سب سے پہلے جس شخصیت سے رابطہ کیا وہ مولانا مودودی تھے۔ 20 جنوری 1979ء کو امام خمینیؒ کے دو نمائندوں نے مولانا مودودی سے ملاقات کی۔ وہ ان کا خصوصی خط لے کر آئے تھے۔ جناب رفیق ڈوگر (صحافی) نے

ملاقات سے پہلے اور ملاقات کی تمام تر تفصیلات اپنی کتاب **''مولانا مودودی سے ملاقاتیں"** میں درج کی ہیں۔ارشاد احمد حقانی نے بھی مولانا مودودی اور امام خمینیؒ کے روابط کا ذکر کیا ہے۔جماعت اسلامی کے قیام کے ابتدائی سالوں سے ہی دیوبندی علماۓ بالعموم اور مولانا منظور احمد نعمانی بالخصوص، مولانا مودودی سے پیشہ وارانہ مخاصمت رکھتے تھے اور ان کے خلاف کئی مضامین اور کتابیں لکھ چکے تھے۔انہوں نے **"ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت"** کے عنوان سے کتاب لکھ کر شیعہ سنی منافرت کو ہوا دی جس کے نتیجے میں جہاں جماعت اسلامی کی مقبولیت میں کمی آئی وہاں پاکستان میں شیعہ کشی میں مزید تیزی آئی۔

دو بھائی

ابوالاعلیٰ مودودی اور امام خمینی

سنسنی خیز

انکشافات

عالمی مجلس تحفظ اسلام

کراچی ○ پاکستان

مسلمانوں اور شیعوں کے عقائد کا تقابل

تصویر۔5: مولانا مودودی کے خلاف لکھی گئی ایک کتاب کا عکس،اس کتاب میں باقی اعتراضات کے ساتھ جماعت اسلامی کے سنی ارکان کی طرف سے ان دنوں انتقال فرمانے والی قائداعظمؒ کی چھوٹی بہن محترمہ شیریں جناحؒ کے جنازے میں شمولیت پر مرحومہ کے شیعہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا گیا۔

دیوبندی علماۓ کے خوفزدہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگر جماعت اسلامی ایران کے انقلاب کے اثرات درآمد کر کے کوئی تحریک چلانے میں کامیاب ہو جاتی تو جماعت اسلامی اقتدار کے ان مراکز تک پہنچ سکتی تھی جن کے خواب دیوبندی علماۓ اپنے لیے دیکھ رہے تھے۔

1984ء میں مولانا نورالحسن بخاری کی وفات کے بعد کچھ عرصہ " تنظیم اہلسنت " کی باقیات کو **"سواداعظم"** پکارا گیا اور اسکی سرپرستی مولانا سمیع الحق نے کی۔1985ء میں یہ جماعت پاکستانی پنجاب کے شہر جھنگ میں **"انجمن سپاہ صحابہ"** کے نئے نام سے سامنے آئی۔کچھ سالوں بعد جب اس نام کے انگریزی مخفف (ASS) کا مذاق اڑایا جانے لگا تو اسکا نام بدل کر **"سپاہ صحابہ پاکستان"** رکھ دیا گیا۔ضیاء کے زمانے میں کوئٹہ، کراچی، پنجاب، پشاور، پاراچنار، ڈیرہ اسماعیل خان اور

گلگت میں شیعوں پر بڑے حملے ہوئے۔ 1981ء میں کرم ایجنسی کے سارے دیوبندی قبائل نے افغان مہاجرین کیساتھ ملکر پاراچنار کے راستے پر موجود قصبہ "صدہ" میں شیعہ آبادی پر ہلہ بول دیا اور فلسطین پر اسرائیلی قبضے کی طرز پر شیعوں کو مکمل طور پر بے دخل کر دیا۔ کیونکہ اس وقت تک انگریزوں کے زمانے میں تشکیل دی گئی کرم ملیشیا وادئ کرم میں موجود تھی لہذا جنگ صدہ تک ہی محدود رہی اور ایجنسی کے دیگر علاقوں تک پھیلنے نہ دی گئی۔

1983ء میں کراچی میں شیعہ آبادیوں پر حملے ہوئے جن میں ساٹھ افراد شہید کر دیئے گئے۔ 5 جولائی 1985ء کو کوئٹہ میں تکفیری دہشتگردوں نے اپنے دو پولیس والے سہولت کاروں کے ہمراہ پولیس کی وردیاں پہن کر شیعوں کے احتجاجی جلوس پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں 25 شیعہ قتل ہوئے۔ البتہ چونکہ یہ دوبدو مقابلے کی کوشش تھی، لہذا 11 دہشتگرد جوابی کاروائی میں ہلاک ہوگئے۔ پولیس کے ریکارڈ کے مطابق ہلاک شدگان میں سے دو کی شناخت پولیس اہلکاروں کے طور پر ہوئی، باقی 9 جعلی وردیاں پہن کر آئے تھے۔ 1986ء میں عاشورا کے جلوسوں پر حملوں میں لاہور میں چار اور لیہ میں تین شیعہ قتل ہوئے۔ 24 جولائی 1987ء کو پاراچنار میں شیعہ آبادیوں پر افغان مجاہدین کا حملہ شیعوں کی بھرپور تیاری کی وجہ سے ناکام ہوگیا۔ 30 ستمبر کو ڈیرہ اسماعیل خان میں یوم عاشورہ کے روز مارشل لاء انتظامیہ نے جلوس روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں 10 نہتے شیعہ شہید جبکہ ایک اندازے کے مطابق تقریباً 100 سے زائد زخمی ہوئے۔ اسی کی دہائی میں پاکستان بھر میں سات سو کے لگ بھگ شیعہ قتل ہوئے، جن میں سے 400 کے قریب لوگ 1988ء میں گلگت کی غیر مسلح شیعہ آبادیوں پر حملے کے نتیجے میں قتل ہوئے [27,31]۔

اسی دوران تاریخی دستاویزات کو جھٹلا کر قائداعظمؒ کو سنی کہلوانے کی کوششوں کا آغاز ہوا جس کے بعد سے اب تک کئی جعلی قصے گھڑے گئے ہیں (مثال کے طور پر ڈاکٹر صفدر محمود اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کے پوتے خواجہ رضی حیدر وغیرہ جیسے لکھاریوں کی تحریریں ملاحظہ ہوں)۔ جن لوگوں سے یہ قصے منسوب کئے جاتے ہیں انہوں نے کبھی قائد کی زندگی میں ان کے خلاف شیعہ دشمنی پر مبنی پروپیگنڈے کے رد میں یہ نہیں کہا کہ قائد تو سنی ہیں۔ قائد نے بھی کبھی اپنے شیعہ ہونے سے انکار نہیں کیا، اور اپنے ذاتی معاملات، جیسے نکاح، تدفین اور وراثت وغیرہ، میں علی الاعلان فقہ جعفریہ کو اختیار کیا۔ جس ماحول میں تنگ نظری کی وجہ سے بانئ پاکستانؒ کا شیعہ ہونا بھی ہضم نہ کیا جارہا ہو وہاں عام شیعہ افراد کا ثانوی شہری بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شیعہ مشاہیر کے مسلک کے بارے میں جھوٹ پھیلانے کا مقصد شیعہ عوام کے تاریخی ورثے پر ڈاکہ ڈالنا اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلانا ہے، جو آگے چل کر شیعوں کے خلاف جرائم کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

تصویر۔6: قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نکاح نامے کا عکس جس میں ان کا مسلک "اثنا عشری" لکھا ہے۔ دلہن محترمہ رتن بائیؒ کے وکیل علامہ ابو الحسن نجفیؒ تھے[32]۔

ضیاء دور میں سرکاری سکولوں میں اسلامیات کے تکفیری اساتذہ بچوں کا ذہن خراب کرنے لگے، اس ذہن سازی نے آگے چل کر طالبان کو مدارس کے علاوہ سرکاری تعلیمی اداروں سے بھی افرادی قوت فراہم کی۔ عدالتوں میں متعصب جج بھرتی کئے گئے۔ یہاں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ مارشل لاء لگنے کے بعد جنرل ضیاءاور ذوالفقار علی بھٹو ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے تھے، لیکن سیاسی طور پر ضیاءالحق بھٹو صاحب کے پیرو تھے۔ مخالف سیاسی کارکنان کا قتل ہو، ذاتی مفاد کیلئے اسلام کا استعمال ہو یا افغانستان میں کردار، یہ بھٹو صاحب کی ہی حکمت عملی تھی۔ پاکستان میں حکومتوں کی نااہلی کا شیعوں کو نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن کوئی بھی حکومت شیعہ دشمن نہیں تھی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض تکفیری سرکاری افسروں نے شیعہ عوام کے حقوق کے سلسلے میں اپنے عہدے سے خیانت کی ہے۔

نواں دور: سٹریٹیجک ڈیپتھ، یعنی تزویراتی گہرائی

جس وقت روس افغانستان سے نکلا اسی وقت مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم سے تنگ عوام نے احتجاجی مظاہروں کا آغاز کر دیا۔ پاکستان کی انتظامیہ نے افغان جہاد کے بچے ہوئے جہادیوں کو کشمیر میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ان جہادیوں نے کشمیر جا کر مقامی آبادی کو بدعتی سمجھا، مزارات پر حملے کیے اور بریلوی اور شیعہ کشمیریوں کے گھروں میں لوٹ مار کی۔ جہاد کشمیر کے نام پر جیش محمد کے مولانا مسعود اظہر لڑکوں کو بھرتی کر کے ٹریننگ دیتے اور مولانا اعظم طارق اور مولانا ضیاء الرحمن فاروقی ان کو شیعہ کشی کا راستہ دکھاتے۔ بعد ازاں کشمیر جہاد وہاں کی مقامی آبادی کے جہادیوں سے خوفزدہ ہو جانے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ تاریخ کا سبق ہے کہ آزادی کی کوئی بھی تحریک باہر سے سمگل شدہ جنگجوؤں کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہوتی۔ چی گویرا جیسے عالمی شہرت یافتہ انقلابی کے آخری ایام اس بات پر گواہ ہیں۔

نوے کی دہائی کے آغاز میں پاکستان کی انتظامیہ نے ہندوستان کے ممکنہ حملے کا سامنا کرنے کیلئے "تزویراتی گہرائی" کے تصور کو محور بنا کر سوچنا شروع کیا۔ اس مفروضے کے خالق جنرل مرزا اسلم بیگ اور جنرل حمید گل تھے۔ اس کے مطابق اگر ہندوستان راجستھان سے حملہ کر کے پاکستان کو دو حصوں میں کاٹنا چاہے تو فوج کی پشت پناہی کیلئے کٹر قسم کی مذہبی جماعتوں کے کارکنان کا جنوبی پنجاب اور طالبان کا قندھار میں ہونا ضروری تھا[33]۔ ان منصوبہ سازوں نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا تھا کہ کسی بھی فوج کی آخری دفاعی لکیر عوام ہوتے ہیں نہ کہ فسطائی گروہ، دنیا بھر میں قابض افواج کے خلاف عام عوام نے ہی مزاحمت کی ہے۔ نیز اس وقت پاکستان ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکا تھا اور اس قسم کے کسی منصوبے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جنرل حمید گل تاریخ کے حقائق سے ناواقف اور نسیم حجازی جیسے لکھاریوں کی فرضی کہانیوں کے قاری تھے۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں تشکیل دیئے گئے **"البدر"** اور **"الشمس"** جیسے مذہبی لشکروں کے ناکام تجربے سے سبق سیکھا گیا ہوتا تو یہ غلطی نہ دہرائی جاتی۔ شیعوں کیلئے یہ سوچ بھٹو اور ضیاء کے فیصلوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی اور اس کے نتیجے میں شیعہ کشی کا عمل پاکستان کے ہر ضلعے میں تیز ہو گیا۔ جیش محمد کا نعرہ کشمیر جہاد کا تھا لیکن اسکا ہیڈ کوارٹر رحیم یار خان میں تھا۔ سپاہ صحابہ جیسے مسلح گروہوں نے اس مبہم منصوبے کا بھرپور فائدہ اٹھا کر بہاولپور اور رحیم یار خان سے لے کر ملتان اور ڈیرہ غازی خان تک اپنے اثر و نفوذ میں بے پناہ اضافہ کیا۔ بعد کے سالوں میں پاکستان کو اس جاہلانہ تصور کی بہت بھاری قیمت چکانا پڑی۔ غنڈہ گرد عناصر کی سرپرستی کے نتیجے میں عوام کی یکجہتی کو ٹھیس پہنچی اور منشیات، غربت اور جرائم میں اضافہ ہوا۔ افغان طالبان نے پاکستان میں دیوبندی انقلاب لانے کی غرض سے دیوبندی تنظیموں کے کارکنان کو فراخدلی سے پناہ اور ٹریننگ فراہم کی۔ پاکستان میں شیعہ قتل کر کے یہ لوگ افغانستان بھاگ جاتے۔ ملک کے کئی نامور ڈاکٹر، انجنیئر اور قانون دان محض شیعہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیئے

گئے۔ انکی عورتیں بیوہ، والدین بے سہارا اور بچے یتیم ہو گئے[31]۔ اس دوران نفرت انگیز تحریروں اور تقریروں کا سیلاب آ گیا۔

1993ء میں لاہور میں سپاہ محمد کے نام سے ایک شیعہ دہشت گرد تنظیم کا قیام ہوا جس نے سپاہ صحابہ کے حملوں کے جواب میں دیوبندی حضرات پر حملے کرنا شروع کیے۔ چنانچہ اگر کسی شیعہ مسجد پر حملہ ہوتا تو کچھ ہی دنوں میں کسی دیوبندی مسجد میں بے گناہ لوگ قتل کیے جاتے۔ حکومت نے صورت حال خطرناک ہوتے دیکھ کر دونوں تنظیموں کے گرد گھیرا تنگ کرنا چاہا تو مولانا ضیاء الرحمن فاروقی نے سپاہ صحابہ کے عسکری حصے کو لشکر جھنگوی کا نام دے کر لاتعلقی کا اعلان کر دیا، اگرچہ لشکر جھنگوی کے کارکنوں کی گرفتاری کی صورت میں سپاہ صحابہ ہی قانونی اور مالی امداد مہیا کرتی۔ یہ ایسا ہی فیصلہ تھا جیسا مجلس احرار کی طرف سے تنظیم اہلسنت کو قائم کرنا، تاکہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکے۔ لشکر جھنگوی کے بانی مولانا ضیاء الرحمن فاروقی جنوری 1997ء میں سپاہ محمد کی طرف سے کئے گئے ایک بم دھماکے میں جاں بحق ہو گئے۔ چونکہ یہ تنظیم سٹریٹیجک اثاثوں کیلئے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھی لہذا لاہور پولیس نے آپریشن کر کے سپاہ محمد کا خاتمہ کر دیا، اسی عرصے میں سپاہ صحابہ کے متعدد دہشتگرد پولیس مقابلوں میں ہلاک ہوئے مگر سپاہ صحابہ کے خلاف کبھی کوئی فیصلہ کن آپریشن نہیں ہو سکا۔

نوے کی دہائی میں ہی کراچی میں سپاہ صحابہ اور جماعت اسلامی کی طرف سے بریلوی مساجد پر قبضے کے خلاف سنی تحریک کے نام سے ایک اور مزاحمتی گروہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ تکفیری علمائ نے اب بریلویوں پر قاتلانہ حملے کرنے کا آغاز کر دیا۔ بریلویوں پر پہلا نمایاں حملہ 2001ء میں ہوا جب سنی تحریک کے بانی جناب سلیم قادریؒ کو کراچی میں قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران سپاہ صحابہ کی طرف سے دیگر مذاہب کے ماننے والوں پر بھی حملے شروع ہوئے۔ مثال کے طور پر اکتوبر 2001ء میں سپاہ صحابہ کے چھ کارکنان نے بہاولپور میں سینٹ ڈومینک چرچ میں فائرنگ کر کے اٹھارہ نہتے اور بے گناہ مسیحیوں کو قتل کر دیا۔

دسواں دور: مفتی نظام الدین شامزئی اور خود کش حملے

اکیسویں صدی کا آغاز خود کش دھماکوں سے ہوا۔ 7 اکتوبر 2001ء کو امریکا نے افغان طالبان پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کی حکومت نے پرائی جنگ اپنے سر لینے کے بجائے امریکا کو راستہ دینے کا فیصلہ کیا۔ مفتی نظام الدین شامزئی نے ملک گیر بغاوت پر اکساتے ہوئے فتویٰ جاری کیا۔ مفتی شامزئی سوات سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے فتوے کو قبائلی علاقہ جات میں بہت پذیرائی ملی۔ آج بھی یہی فتویٰ تحریک طالبان پاکستان کی طرف سے پاکستان مخالف جنگ کے شرعی جواز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پنجاب اور سندھ میں دیوبندی مدارس کے پاس اتنا اسلحہ اور افرادی قوت نہیں تھی کہ وہ پولیس اور فوج سے لڑ سکتے، لہٰذا ان علاقوں پر اس فتوے کا فوری اثر نہ ہو سکا۔ افغان طالبان چند دنوں میں امریکا کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور بہت سے طالبان اور القاعدہ کے جنگجو برقعے پہن کر پاکستانی علاقوں میں آ گئے۔ امریکا نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ یا تو القاعدہ کے ان فراری ارکان کو خود گرفتار کر کے امریکا کے حوالے کرے یا امریکی مداخلت کا انتظار کرے۔ 2004ء میں پاکستانی فوج نے قبائلی علاقہ جات میں ان فراری طالبان کی گرفتاری کے لیے آپریشن شروع کیا تو پاکستان بھر کے دیوبندی علماء کی طرف سے فتاویٰ اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ادھر سن 2002ء کے الیکشن میں خیبر پختون خواہ کی صوبائی حکومت اور کراچی کی شہری حکومت **متحدہ مجلس عمل** نامی مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ ان حکومتوں نے سرکاری نوکریاں متعصب افراد کو دیں جو دہشت گردی کی کاروائیوں میں طالبان کے سہولت کار بنے۔ ہمیشہ کی طرح متحدہ مجلس عمل میں شیعہ علماء بھی شریک کئے گئے تھے۔ دیوبندی اسلام کے نفاذ کی ہر لہر کی طرح یہ لہر بھی شیعہ عوام کے لیے ظلم کی سیاہ رات ثابت ہوئی۔ اہل تشیع کے خلاف کینہ رکھنے کے باوجود ان کے علماء کو دیوبندی اسلام کے نفاذ کیلئے استعمال کرنے کی چال کی وضاحت معروف تکفیری دیوبندی مولانا زاہد الراشدی ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

"یہ دراصل سیکولر حلقوں کے اس اعتراض یا الزام کا عملی جواب ہے کہ پاکستان کے اسلامی تشخص، ملک میں اسلام اور شریعت کی حکمرانی کے بارے میں ملک کے مذہبی مکاتب فکر پوری طرح متفق اور پاکستان میں نفاذ اسلام فرقہ وارانہ مسئلہ نہیں بلکہ متفقہ قومی مسئلہ ہے۔ ایک موقع پر بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا موقف اور طرز عمل کیا تھا؟ خصوصاً اس پس منظر میں کہ انہوں نے اثناء عشری اہل تشیع کی تکفیر پر '**ارشاد الشیعہ**' کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے، میں نے گزارش کی کہ انہوں نے ''ارشاد الشیعہ'' تصنیف فرمائی اور اس میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ صرف ان کا موقف نہیں بلکہ یہ تو اہل سنت کا موقف ہے اور خود ہمارا موقف بھی اثنا عشری اہل تشیع کی حد تک یہی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ان تمام تحریکات کا حصہ رہے ہیں" [34]۔

یہ پورا مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دیوبندی اکابر کی تحریروں سے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ جوں جوں ان تحریکات کو کامیابی ملے گی توں توں شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوتا جائے گا، اور ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بد قسمتی سے شیعہ اکابر بھی اتحاد بین المسلمین کا مطلب اس قسم کی فرقہ پرست جماعتوں سے اتحاد کو سمجھتے رہے۔ حالانکہ الیکشن جیتنے والی بڑی سیاسی جماعتیں ہی اکثر پاکستانی مسلمانوں کی نمائندہ ہیں، اور ان سے اتحاد ہی اتحاد بین المسلمین کہلا سکتا ہے۔ شیعہ علماء کے ان نام نہاد دینی اتحادوں میں شامل ہونے کی وجہ وہی ہے جو فلسطین کی تنظیم الفتح کے سربراہ یاسر عرفات کے اوسلو معاہدے پر دستخط کرنے کی وجہ تھی۔ اوسلو معاہدے نے فلسطینی عوام پر ظلم میں تو اضافہ کیا لیکن الفتح کو "فلسطینی اتھارٹی" نامی ادارہ قائم کرنے اور اس کیلئے امریکا اور یورپی ممالک سے ہر سال بجٹ حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے پہلے جمعیت علمائے ہند کے کانگریس کے ساتھ اتحاد میں کارفرما معاشی مسائل کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ متحدہ مجلس عمل کی صوبائی حکومت نے بھی شیعہ علماء کو ماہانہ لاکھوں روپے کی تنخواہ کے ساتھ مشیر اور نائب صدر وغیرہ کے عہدے دیئے تھے، جس سے انکا معیار زندگی بھی امیر لوگوں جیسا ہو گیا۔ یہ آئندہ بھی ایسے کسی بندوبست میں شامل ہونے سے نہیں ہچکچائیں گے۔

مفتی شامزئی کے فتوے کی وجہ سے پاکستان بھر سے دہشتگرد اب قبائلی علاقوں میں جمع ہو کر تحریک طالبان پاکستان نامی ایک منی سٹیٹ قائم کر چکے تھے۔ ان طالبان نے پاکستانی فوج پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ اسلام آباد میں لال مسجد ان مساجد میں سے تھی جو شدت پسندی کا مرکز سمجھی جاتی ہیں۔ وہاں کے مولانا عبد العزیز نے حکومت کو کمزور پڑتا دیکھ کر دیوبندی مسلک کی تشریح کے مطابق شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور شہر میں کاروائیاں شروع کر دیں۔ 3 جولائی 2007 کو حکومت نے لال مسجد کے خلاف آپریشن شروع کر دیا۔ خواتین اور بچوں کو باہر جانے کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا عبد العزیز بھی ایک خاتون کا برقعہ پہن کر نکل گئے۔ بعد میں چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں بننے والے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق اس آپریشن میں نوے کے قریب مسلح جنگجوؤں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

حکومت نے طالبان کو رام کرنے کی غرض سے متعدد امن معاہدے کئے مگر وہ سب طالبان کو مزید مضبوط کرنے پر منتج ہوئے۔ ان طالبان نے پاکستانی فوج اور عوام پر پے در پے حملے شروع کر دیئے [33(ii)]۔ اس دوران پاکستان میں شیعوں اور بریلویوں پر حملوں کی خونریزی میں نیا اضافہ خودکش حملوں کی شکل میں دیکھنے میں آیا۔ 11 اپریل 2006ء کو نشتر پارک میں دھماکا کر کے سنی تحریک کے قائدین سمیت 47 لوگ شہید کر دیئے گئے۔ 12 جون 2009ء کو لاہور میں مفتی سرفراز نعیمیؒ کو خودکش بمبار کی مدد سے شہید کر دیا گیا۔ 2007ء میں پاراچنار پر طالبان کا حملہ مقامی آبادی کی بھرپور تیاری کی وجہ سے ناکام ہوا جس کے بعد پانچ سال کیلئے پاراچنار تک اشیائے خورد و نوش اور ادویات کی ترسیل کے

راستے بند رہے اور اس وقت بحال ہوئے جب وزیرستان اور سوات میں آپریشن کے نتیجے میں طالبان کو شکست ہو گئی۔ پولیس، کھیل کے میدان، تعلیمی ادارے، وکلا، میڈیا، سب خودکش بمباروں کی زد پر آ گئے۔ سید احمد بریلوی کے پیروکار مفتی نور ولی نے "**انقلاب محسود**" کے عنوان سے کتاب لکھ کر ان حملوں کی تفصیلات کو جمع کیا ہے۔ جب جنرل پرویز مشرف نے جنوری 2002ء میں سپاہ صحابہ پاکستان والے نام اور ڈھانچے پر پابندی عائد کی تو "تنظیم اہلسنت" کے فتنہ پرور گروہ کا نام "**ملت اسلامیہ پاکستان**" رکھ دیا گیا۔ کچھ سالوں بعد دوبارہ نام بدل کر "**اہلسنت والجماعت**" رکھا گیا۔ 2018ء کے انتخابات میں یہ جماعت "**راہ حق پارٹی**" کے نام سے سامنے آئی۔

DR. M. NIZAMUDDIN SHAMZAI
Professor of Hadees:
JAMIAT-UL-ULOOM-UL-ISLAMIA
Allama Banori Town, Karachi. Ph: 4918314

ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون ۴۹۱۸۳۱۴

امریکہ نے امارت اسلامی افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کیلئے شرعی احکام مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو گیا ہے کیونکہ موجودہ صورتحال میں صرف افغانستان کے آس پاس مسلمان امارت اسلامی افغانستان کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں اور یہودیوں اور امریکہ کا اصل ہدف امارت اسلامی افغانستان کو ختم کرنا ہے۔ دارالاسلام کی حفاظت اس صورت میں تمام مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔

۲۔ جو مسلمانوں چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ ہو وہ اگر اس صلیبی جنگ میں افغانستان کے مسلمانوں یا امارت اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہو گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کوئی بھی مسلمان حکمران اگر حکم دیں اور اپنے ماتحت لوگوں کو اسلامی حکومت کے ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہے تو ماتحت لوگوں کیلئے اس طرح کے غیر شرعی احکام ماننا جائز نہیں ہے بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی ضروری ہوگی۔

۴۔ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کیلئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

۵۔ افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی اور ہر قسم کی ممکن مدد مسلمانوں پر فرض ہے لہذا جو مسلمان وہاں جا کر ان کے شانہ بشانہ لڑ سکتے ہیں وہ وہاں جا کر شرکت کر لیں اور جو مسلمان مالی تعاون کر سکتے ہیں وہ مالی تعاون فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت اس گھڑی میں مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔

فقط والسلام

اس فتویٰ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائے۔

تصویر۔7: دیوبندی مفتی نظام الدین شامزئی کے فتوے کا عکس، جس کے بعد خودکش حملوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔

مفتی شامزئی صاحب کے فتوے کے بعد پنجاب اور سندھ میں متشدد مدارس نے مسلح ہونے کا عمل شروع کر رکھا ہے۔ کئی مرتبہ تبلیغی جماعت کے سامان میں چھپایا گیا بارود پھٹ چکا ہے[35] جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ قبائلی علاقہ جات سے پنجاب اور سندھ کے قصبوں میں بارود اور اسلحے کی منتقلی کا عمل کس تیزی سے جاری ہے؟ عراق اور شام میں شکست کے بعد داعش کی نظریں پاکستان کے ایٹمی اثاثوں پر ہیں۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے دہشتگرد گروہوں کے ہاتھوں میں پروپیگنڈے کیلئے نئے وسائل دے دیئے ہیں۔ کئی ایک نوجوان ایسی تنظیموں کے ہاتھوں استعمال ہو چکے ہیں۔

اعداد و شمار کے مطابق قیام پاکستان سے اب تک تقریباً **تیس ہزار** شیعہ قتل ہوئے جن کے قاتلوں کو شاذ ہی سزا ہوئی ہے[31]۔ لاکھوں شیعہ زخمی، معذور اور نفسیاتی دھچکے کا شکار ہو کر زندہ لاش بن گئے۔ پچھلی ایک دہائی میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والا طبقہ کوئٹہ، کراچی، ڈیرہ اسماعیل خان اور پاراچنار کے شیعہ ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ خیبر پختون خواہ کا حصہ ہے لیکن نہ کبھی سرحدی گاندھی (باچا خان) کی جماعت کو وہاں بہتا انسانی خون نظر آیا نہ پولیس نے کبھی کسی قاتل کو گرفتار کیا ہے۔ حال ہی میں سامنے آنے والی پختون تحفظ موومنٹ اس منافقت کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہ کئی سال سے ڈیرہ اسماعیل خان میں بے رحمی سے جاری شیعہ کشی کو دیکھ رہے ہیں مگر اس کے خلاف کوئی سرگرمی نہیں کرتے۔ پشتون تحفظ تحریک اصل میں طالبان کا غیر مسلح چہرہ ہے۔ عسکری شکست کے بعد بھیڑیے نے بکری کی کھال پہن لی ہے۔ "دہشتگردی کے پیچھے وردی" کا نعرہ لگا کر یہ لوگ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔ جدید تہذیب اور دوسرے مسالک کے خلاف جنگ کی دو سو سالہ تاریخ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دہشتگردی پختون ولی کی ظالمانہ روایات کی سید احمد بریلوی اور انکے وارثوں سے بیعت کا نتیجہ ہے[33(ii)]۔

اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی آبادی گزشتہ ستر برس میں چار کروڑ سے بڑھ کر بیس کروڑ ہو چکی ہے۔ اسی فیصد آبادی غریب اور صرف چالیس فیصد آبادی خواندہ یا نیم خواندہ ہے۔ ورلڈ بنک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق چالیس فیصد پاکستانی بچے خوراک کی کمی سے دوچار ہیں۔ پانچ سال کی عمر تک دودھ، گوشت، پھلوں اور گھی کی کمی اور بار بار مریض ہونے سے ان بچوں کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور وہ منطقی انداز فکر کے قابل نہیں رہتے، چاہے اعلیٰ تعلیمی اداروں تک پہنچ بھی جائیں۔ دیوبندی مدارس میں طلبہ کی تعداد تیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ شیعہ مدارس میں طلبہ کی تعداد پچاس ہزار اور بریلوی مدارس میں دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس طرح تقریباً دو فیصد آبادی ذہنی طور پر پانچ سو سال پرانے نصاب تعلیم میں پھنسی ہوئی ہے۔ پاکستان کی آبادی کا بیس فیصد دیوبندی، بیس فیصد شیعہ، پچاس فیصد بریلوی، دو فیصد اہل حدیث اور باقی غیر مسلم ہیں۔ آج تک ہونے والی دہشتگردی کی وارداتوں میں دیوبندی تنظیموں کے علاوہ اردو لسان پرست، پختون، بلوچ اور سندھی قوم پرست، نیز سپاہ محمد اور سنی تحریک بھی شامل رہے ہیں۔ تمام خودکش دھماکے دیوبندی تنظیموں نے کئے، ان میں سے نوے فیصد دھماکوں میں پختون دیوبندی ملوث تھے۔ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والی معروف دہشتگرد تنظیموں کے نام یہ ہیں: تحریک طالبان پاکستان، اہلسنت والجماعت پاکستان، لشکر جھنگوی پاکستان، تحریک نفاذ شریعت محمدی، حرکت الانصار، جند اللہ، جیش محمد، حرکت الجہاد الاسلامی، تحریک المجاہدین، لشکر عمر، وغیرہ۔ عرب ممالک میں داعش، القاعدہ اور حزب التحریر میں زیادہ تر سلفی دہشتگرد شامل ہوتے ہیں، لیکن پاکستان اور افغانستان میں ان تنظیموں کے کارکنوں کی اکثریت دیوبندی مسلک یا جماعت اسلامی سے تعلق رکھتی ہے۔

رائے عامہ کے محاذ پر پہلے دہشتگردی کو ڈرون کا ردعمل وغیرہ کہہ کر عوام کی توجہ کو منتشر کیا جاتا رہا۔ اب جب آرمی پبلک سکول کے قتل عام کے بعد پاکستانی عوام تکفیری دہشتگردی کے خلاف اکٹھے ہو گئے تو اوریا مقبول جان وغیرہ نے

مولانا خادم رضوی کو ڈھال بنالیا ہے تا کہ عوام ان پر وار کرتے رہیں اور دو سو سال سے جاری دہشتگردی کے اصل مراکز کی طرف سے انکی توجہ ہٹ جائے۔ زمانے کے حالات سے ناواقف مولانا خادم رضوی اس وقت حزب التحریر اور اخوان المسلمون کی بولی بول رہے ہیں۔ دوسری طرف طالبان بھی اسی مقصد کی خاطر پی ٹی ایم کی شکل میں "دہشتگردی کے پیچھے وردی ہے" کا پروپیگنڈہ کرنے لگے، کیونکہ سید احمد بریلوی کے وارثوں سے مقابلے کیلئے پاکستانیوں کے پاس فوج کے سوا کچھ نہیں ہے۔ فوج کے خلاف بڑی آزادی اور جُرأت سے نعرے لگتے ہیں، سوشل میڈیا پر لکھا جاتا ہے۔ لیکن آج تک پی ٹی ایم نے کسی جلسے میں مفتی شامزئی، اسامہ بن لادن، مولانا سمیع الحق یا سید احمد بریلوی پر سر عام لعنت نہیں بھیجی۔ جو لوگ فوج کے خلاف نعرے لگا سکتے ہیں وہ ان لوگوں کے خلاف کھل کر نعرے کیوں نہیں لگاتے؟ بہر حال پاکستانی قوم اب دہشتگردی کو انجام تک پہنچا کر دم لے گی، چاہے سو سال آپریشن کرنا پڑے۔ دہشتگردوں کے ساتھیوں کو سری لنکا کے تامل باغیوں کی تاریخ نہیں بھولنی چاہیئے۔

تدارک

اس مسئلے کا تدارک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ :۔

1. اپنے دوستوں کے ساتھ اس مضمون میں بیان کئے گئے نکات پر تبادلۂ خیال کریں۔ جلد بازی میں کوئی رائے قائم کرنے کے بجائے کچھ دن اس پر غور و فکر کریں۔ اس مقالے میں جمع کئے گئے حقائق اور حوالہ جات بہت اہم اور نادر ہیں۔ ان حقائق کو عوام تک پہنچانا اور دہشتگردی کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے۔ ماضی کی غلطیاں بار بار اسی لیے دہرائی گئیں کہ نئی نسل کے سامنے ان کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔
2. پاکستان میں انقلاب کی مخالفت کریں۔ پاکستان فرانس، روس، چین، ویتنام، کیوبا یا ایران کی طرح یک ثقافتی ملک نہیں ہے۔ پاکستان میں شام اور افغانستان کی طرح بہت سی نسلیں، بہت سے فرقے، بہت سے مذاہب اور سولہ مختلف مادری زبانیں پائی جاتی ہیں۔ انقلاب موجودہ ریاست کو اکھاڑ تو لے گا مگر اسکی جگہ نئی ریاست قائم نہیں کر سکے گا۔ ایسی صورت میں ہندوستان اور افغانستان دریائے سندھ پر ملنے کی کوشش کریں گے۔ افغان نژاد پرست احمد شاہ ابدالی کے دور کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں بہتری انقلاب کے بجائے موجودہ نظام میں اصلاحات لا کر ہی لائی جا سکتی ہے۔
3. مطالعات کو وسعت دے کر مغل شہنشاہ اکبر اعظمؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بارے میں مشہور کی گئی غلط فہمیوں کو دور کریں۔ تاریخ کی صحیح تفہیم کے بغیر مستقبل کی راہیں روشن نہیں کی جا سکتیں[7,36,37]۔
4. اس یکطرفہ فرقہ واریت کو **"شیعہ مخالف تشدد"** کہیں۔ حال ہی میں سامنے والی ایک تحقیق کے مطابق دنیا میں فرقہ وارانہ تشدد کی 95 فیصد وارداتوں میں شیعہ نشانہ بنتے ہیں[38]۔ اس کو مبہم عنوانات دینا یا سادہ دلی ہے یا تنگ نظری ہے۔ حال ہی میں چھپنے والی کتاب:

"Faith Based Violence and Deobandi Militancy in Pakistan"

میں اس تشدد کے عوامل، ریاست اور میڈیا کے کردار نیز اس کے نتیجے میں شیعہ عوام پر پڑنے والے گہرے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے[39]۔

5. پاکستان کی انتظامیہ، میڈیا اور سیاسی جماعتوں کے اندر مذہبی شدت پسندوں سے گٹھ جوڑ کے رجحان کے خلاف لڑے بغیر دہشتگردی ختم نہیں ہو سکتی۔ اس جدوجہد میں پاکستانی عوام کی اکثریت آپ کا ساتھ دے گی کیونکہ اسکا تعلق ان کے مفادات سے بھی ہے۔ یہ جدوجہد عدم تشدد پر مبنی ہونی چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہو سکیں۔ ظلم کے خلاف مزاحمت کا بڑا حصہ غیر مسلحانہ اقدامات پر مبنی ہوتا ہے: تاریخ کے بارے میں درست بیانیہ تشکیل دینا، ظلم کے آگے جھکنے سے انکار کرنا، معاشی استحکام حاصل کرنا، مالی وسائل اور وقت کا کفایت شعاری سے استعمال، پرامن احتجاج کرنا، وغیرہ۔ آپ کو معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کیلیئے سرکاری اداروں، صحافت، سوشل میڈیا اور سیاسی جماعتوں میں شمولیت اختیار کرکے تکفیری اثر ونفوذ کو شکست دینی چاہیئے[40]۔
6. سیکولر ازم کو سمجھنے کی کوشش کریں، سیکولر ازم سے مراد دین اور سیاست کی جدائی نہیں بلکہ دینی رہنماؤں اور سیاسی رہنماؤں کو الگ رکھنا ہے کیونکہ یہ زمانہ تخصص کا زمانہ ہے۔ پہلے دینی علماء حکیم بھی ہوا کرتے تھے لیکن اب علوم کی ترقی کی وجہ سے ان علماء سے ڈاکٹرز کا کام نہیں لیا جاتا۔ جدید دور میں سیکولر ازم ہی بہترین سیاسی نظام ہے۔
7. حکومت کو مدارس کی تعداد میں کمی لا کر آبادی کی ضرورت تک محدود کرنا چاہیئے۔ مدارس کے نصاب پر حکومت اثر انداز نہیں ہو سکتی البتہ چندہ دینے والے افراد ان میں جدید دنیا کی تاریخ اور قانون کی تدریس شامل کئے جانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ لاہور کے "ادارہ مطالعہ تاریخ" اور "مشعل بکس" نے اردو زبان میں بہت معیاری کتب شائع کی ہیں۔

نوٹ: درج ذیل لنک کی مدد سے اس کتاب کو انٹرنیٹ سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے:-

https://archive.org/details/sectarianism.in.pak

تکمیل بمورخہ 19 اکتوبر ، 2019 ء بمطابق 20 صفر، 1441 ہجری

حوالہ جات

1. Syed Ali Nadeem Rezavi, "**The state, Shia's and Shi'ism in medieval India**", Studies in People's History, 4, 32-45 (2017).

2. **ملفوظات شاہ عبدالعزیز**، صفحہ 54، میرٹھ، 1314ہجری، (1896).

3. خیرالدین محمد الہ آبادی، **عبرت نامہ**، 30-88

4. "**نزھہ اثنا عشریہ**"

https://archive.org/details/nuzha-isna-asharia-jild-1

5. علامہ عبدالحیٔ بن فخر الدین، "**نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع والنواظر**"، جلد 7، شمارہ 713، "الشیخ قمرالدین دہلوی"- دار ابن حزم، بیروت، لبنان، (1999).

6. **عبقات الانوار**

www.alabaqat.com/download

7. ڈاکٹر مبارک علی، "**المیہ تاریخ**"، حصہ اول، باب 11، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور

8. Barbara Metcalf, "**Islamic revival in British India: Deoband, 1860-1900**", pp. 46-86, Princeton university Press (1982).

S. A. A. Rizvi, "**A Socio-Intellectual History of Isna Ashari Shi'is in India**", Vol. 2, pp. 306 - 308, Mar'ifat Publishing House, Canberra (1986).

9. i) مرزا حیرت دہلوی، "**حیات طیبہ**"، مکتبۃ الاسلام، ص 260

مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہوں:-

ii) مولانا جعفر تھانیسری، "**حیات سید احمد شہید**"، ص 171، 293

iii) سرسید احمد خان، "**مقالات سرسید**"، حصہ نہم، ص 141-148

10. مولانا ابوالحسن علی ندوی، "**سیرت سید احمد شہید**"، جلد اول، ص 412

11. **مکاتیب سید احمد شہید**، مخطوطہ عکسی ایڈیشن، صفحہ 75

12. Rana Safvi, **“Maulavi Muhammad Baqar: Hero or Traitor of 1857?”,** The Wire, 16 September 2016.

    https://thewire.in/history/forgotten-hero-of-1857

13. مرزا غلام احمد قادیانی، **روحانی خزائن**، جلد 18، صفحہ 233 اور 423-428

14. مرزا غلام احمد قادیانی، **روحانی خزائن**، جلد 19، صفحہ 192-194

15. Government Gazetteer of the United Provinces, Extraordinary (Lucknow, 1938), GAD No. 113/1939, UPSA, page 2-4.

16. Mushirul Hasan,"**Traditional Rites and Contested Meanings: Sectarian Strife in Colonial Lucknow**", Economic and Political Weekly, Vol. 31, No. 9, pp. 543-550 (1996).

    https://www.easterntimes.pk/?p=789

17. Hamza Alavi, “**Ironies of History: Contradictions of the Khilafat Movement**” Comparative Studies of South Asia, Africa and the Middle East, 17 (1): 1-16 (1997). https://pakteahouse.wordpress.com/2009/08/11/the-contradictions-of-the-khilafat-movement/

18. Jasbir Singh to G. M. Harper, 22 Feb 1939, Political Department No. 65/1939, Uttar Pradesh State Archives.

19. Jasbir Singh to G. M. Harper, 15 and 18 April 1939, Political Department No. 65/1939, Uttar Pradesh State Archives.

20. Abul Hassan Isphani, "**Quaid e Azam Jinnah, as I Knew Him**", Forward Publications Trust Karachi (1967).

21. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، "**اقبال اور ملا**"، صفحات 18، 17-

22. N. Hollister, " **The Shia of India**", p-178, Luzac and Company Ltd, London (1953).

23. Liaqat H. Merchant, "**Jinnah: A Judicial Verdict**", East and West Publishing Company, Karachi (1990).

24. **Jinnah Papers**, second series, volume XI (1 August 1944-31 July 1945); page 174.

25. i) محمد علی جناح جنت الحمقاء (احمقوں کی جنت) کا بانی اور رجلِ فاجر (گنہگار انسان) ہے- پاکستان جنت الحمقاء اور مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہے۔(مولانا مودودی، ترجمان القران فروری 1946ص-154-153)

ii) مسلم لیگ کی نامراد تحریک کا مقصد ناپاکستان کا قیام ہے (ترجمان القرآن، اپریل 1946ء)

26. مفتی محمود، **"فتاویٰ مفتی محمود"**، جلد سوم، کتاب الجنائز، صفحہ 67

27. Andreas Rieck, "**The Shias of Pakistan: An Assertive and Beleaguered Minority**", Oxford University Press, (2015).

28. http://www.shaheedfoundation.org/tragic.asp?Id=13

29. Mohammad Ayub Khan, "**Diaries of Field Marshal Mohammad Ayub Khan**",9 July 1967 and 11 July 1967, Oxford University Press, (2008).

"میجر جنرل رفیع میرے ملٹری سیکرٹری تھے۔ وہ میری نمائندگی کیلئے کراچی گئے اور مس جناح کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔اُن کا بیان ہے کہ اہل فہم لوگ اس بات پر خوش ہوئے کہ حکومت نے مس فاطمہ کی عزت و تکریم کا خیال رکھا۔اس لئے یہ امر حکومت کیلئے بھی خوش کن ہے۔تاہم وہاں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے بہت برا سلوک کیا۔اُن کی پہلی نماز جنازہ مہتہ پیلس میں شیعہ رسوم کے مطابق ادا کی گئی۔ عوام کیلئے دوسری نماز جنازہ پولو گراؤنڈ میں ہوئی تو یہ سوال کیا گیا کہ امام سنی ہو یا شیعہ ؟تاہم بدایونی کو امامت کیلئے آگے کر دیا گیا۔ جونہی امام نے اللہ اکبر کہا آخری صفوں میں کھڑے لوگ ہٹ گئے اور جنازہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ لاش کو بڑی مشکل سے ایک گاڑی میں رکھا گیا اور قائداعظم کے مزار پر لے گئے اور انہیں دفن کیا گیا۔ وہاں ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا جنہوں نے کہا کہ قبر کی جگہ بدلی جائے،اس پر عمل نہ کیا گیا۔ طلباء کے ہمراہ غنڈے تھے جنہوں نے پتھر برسائے۔ تب پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ غنڈوں کو آنسو گیس کی مدد سے ہٹایا گیا تو جنازہ کا میدان پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔ لوگوں نے جس بے حسی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اس پر افسوس ہوتا ہے۔ نماز جنازہ عبرت کا مقام ہوتا ہے لیکن یہ لوگ یہاں بھی باز نہ آئے۔"

30. http://www.thefridaytimes.com/tft/shiaphobia/

31. i) https://lubpak.net/archives/132675

ii)http://www.satp.org/satporgtp/countries/pakistan/database/sect-killing.htm

32. Syed Qasim Mehmood, **Encyclopedia Pakistanica**, p. 725, Qadir Printers, Karachi (1998).

33. i) Khalid Ahmed, **"Sectarian War: Pakistan's Sunni Shia Violence and its links to the Middle East"**, Oxford University Press, (2011).

ii) جان آر شمٹ، **"گرہ کھلتی ہے: جہاد کے دور کا پاکستان"**، ترجمہ: اعزاز باقر، مشعل بکس، لاہور

http://mashalbooks.org/product/the-unraveling-pakistan-in-the-age-of-jihad/

34. مولانا زاہد الراشدی، **"قومی و ملی تحریکات میں اہل تشیع کی شمولیت"**، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، مارچ 2011ء

http://zahidrashdi.org/129

35. i) سوات تبلیغی مرکز میں 11 جنوری دو ہزار تیرہ کو ہونے والے دھماکے کے بعد امیر صاحب نے میڈیا کو بتایا کہ گیس کا سلنڈر پھٹا ہے۔ بعد میں جب زخمی ہسپتال گئے تو ان کے جسم میں بم کے ٹکڑے ملے۔ نیز مرنے والوں کی تعداد بھی امیر صاحب کے جھوٹ کی چغلی کھا رہی تھی۔ امیر صاحب کی اسی بات کو لے کر پولیس نے بھی میڈیا کو یہی بتایا تھا کہ سلنڈر پھٹا ہے۔

https://tribune.com.pk/story/492458/blast-at-swat-tableeghi-markaz-kills-22/

ii) پشاور تبلیغی مرکز میں 16 جنوری دو ہزار چودہ کو ہونے والے دھماکے کے بعد جب پولیس نے مرکز میں داخل ہونے کی کوشش کی تو مرکز کی انتظامیہ نے کچھ گھنٹے کے لیے داخل نہیں ہونے دیا۔ بعد کی تحقیقات میں معلوم ہوا کہ وہ دھماکا کسی تبلیغی کے سامان میں موجود بارود کے حادثاتی طور پر پھٹنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ کمرے میں سردی کی وجہ

سے جب کسی لاعلم تبلیغی نے ہیٹر جلایا تو پاس پڑے سامان میں موجود بارود چل گیا۔ تفتیشی اداروں کو آلات کی مدد سے تبلیغی مرکز کی لیٹرین میں بارود بہا دینے کے شواہد بھی ملے۔ کئی گھنٹوں کی تاخیر کے باوجود تفتیشی اداروں کو اس مرکز سے بارود کے تین کنستر ملے۔

https://www.dawn.com/news/1080731

36. i)ڈاکٹر مبارک علی، **"قائداعظم کیا تھے، کیا نہیں تھے"**، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور

ii)YasserLatif Hamdani, "**Jinnah: Myth and Reality**", Vanguard Books Lahore, (2012).

iii)علی جعفر زیدی، **"باہر جنگل، اندر آگ"**، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور

37. مونسیرات، **"اکبر کا ہندوستان"**، ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور

38. https://tribune.com.pk/story/1802911/1-95-global-sectarian-violence-focused-shia-muslims-reveals-report/

39. Editors: J. Syed, E. Pio, T. Kamran, A. Zaidi, **"Faith-Based Violence and Deobandi Militancy in Pakistan"**, Palgrave Macmillan UK, (2016).

https://www.palgrave.com/us/book/9781349949656

40. پروفیسر ارشد جاوید، **"کامیاب شخصیت"**، علم و عرفان پبلشرز، لاہور

شیعہ دشمنی میں سعودی کردار کے بارے میں مبالغہ کارد

Fuchs, S. W., "**Faded networks: the overestimated Saudi Legacy of anti–Shi'i sectarianism in Pakistan**", *Global Discourses*, vol. 9, no. 4, 703–715, (2019).

تحقیق: ڈاکٹر سائمن وولف گینگ فکش

ترجمہ: حمزہ ابراہیم

فہرست

خلاصہ مطلب

اس مقالے کا بنیادی سوال پاکستان میں شیعہ مخالف فرقہ واریت کی نشوونما میں سعودی عرب کے مرکزی کردار کے مفروضے کا تحقیقی مطالعہ کرنا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ 1980ء کی دہائی سے جو گروہ مفروضہ شیعہ خطرے کے خلاف سرگرم رہے ہیں ان کا سعودی سلطنت کے ساتھ زیادہ قریبی تعلق نہیں رہا اور وہ اب بھی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی طرف سے اردو میں کیا جانے والی تبلیغ پاکستان کے بارے میں خاص سیاسی نظریۓ (علامہ شبیر احمد عثمانی کے تصورِ پاکستان) اور اسلام کے عالمگیر غلبے کے خواب پر متمرکز ہے۔ پاکستان کے بارے میں یہ (دیوبندی) نصب العین ایران میں اسلامی انقلاب آنے اور آیت اللہ خمینی کی قیادت میں ایک مذہبی حکومت قائم ہونے سے خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ پاکستان کے فرقہ پرست (دیوبندی) علماء نے اپنے پرانے سلفی/وہابی سوچ سے متاثر نظریات سے مافوق ہو کر سوچا اور اپنے مسلک کو شیعیت کے توانائی سے بھرپور نشانات اور علامات کے ساتھ ہم آہنگ بنا کر اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں انہوں نے شیعی تصورات کی نقل تیار کرنے پر آمادگی ظاہر کی، یہ ایسا عمل تھا جو سعودی سوچ کیلئے ناقابلِ قبول ہے۔

تعارف

اگر ہم پاکستان میں فرقہ واریت کے بارے میں شائع ہونے والے مقالوں اور کتابوں پر یقین کریں تو یہ 1960ء کی دہائی تھی جب سعودیوں نے پاکستان میں شیعہ مخالف مہم کا ذمہ اٹھایا۔ اس کام کیلئے انھیں صفر سے بلکہ آغاز نہیں کرنا پڑا انگریز دور سے ہی فرقہ واریت کی آگ دہک رہی تھی جسے انہوں نے ہوا دے کر بھڑکا دیا(Jones, 2011)۔ 1947ء میں تقسیم ہند کے نتیجے میں ہندوستانی جمہوریہ کے اطراف میں مسلمانوں کیلئے دو حصوں پر مشتمل پاکستان نامی وطن قائم ہوا۔ مغربی پاکستان میں شیعہ آبادی

پندرہ سے بیس فیصد کا قابل توجہ تناسب رکھتی تھی جبکہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں نسبتاً کم، ایک فیصد تک تھی۔ ابتدائی سالوں میں مغربی پاکستان میں اپنی عددی اہمیت سے اگاہ شیعہ تنظیمیں پورے اعتماد کے ساتھ اپنے مطالبات، جیساکہ شیعہ بچوں کیلئے الگ اسلامیات یا شیعہ اوقاف کے الگ انتظام کا مطالبہ، پیش کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے کئی حکومتوں کو ان مطالبات پر ناکافی اقدامات اٹھانے پر تنقید کا ہدف بھی بنایا، جن میں بہت سے فوجی آمر تھے۔ اگرچہ شیعوں کے خلاف امتیازی زبان استعمال ہوتی تھی لیکن 1980ء کی دہائی سے پہلے تک شیعوں کے خلاف بہت کم پر تشدد اور نفرت انگیز سرگرمیاں دیکھنے کو ملیں(Rieck, 2015: 55–195)۔ البتہ 1960ء کی دہائی اپنے ساتھ اہم بین الاقوامی اور دیرپا تبدیلی لے کر آئی۔ 1968ء میں سعودی عرب کی مدینہ یونیورسٹی سے پہلے پاکستانی طالب علم، احسان الٰہی ظہیر، فارغ التحصیل ہوئے۔ یہ ادارہ 1962ء میں دنیا بھر میں سلفی اسلام کی تبلیغ کرنے کے سعودی اوزار کے طور پر قائم کیا گیا تھا (Farquhar, 2016)۔ احسان الٰہی ظہیر نے سعودی شاہی خاندان، وہاں کے علماء اور ناشران سے قریبی تعلقات قائم کئے تھے جو انکے پاکستان آنے کے بعد بھی قائم رہے۔ اگلے عشروں میں انہوں نے وہ سب کیا جو وہاں سے سیکھا تھا، یعنی باطل اسلامی فرقوں کا رد کرنا۔ وہ بڑے مصروف رہے اور چودہ کے قریب فرقہ وارانہ کتابیں لکھیں، جو عربی زبان میں لکھی گئیں اور جلد ہی ان کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔ 1970ء کے بعد ان کا اولین نشانہ شیعہ تھے۔

اس فعالیت کے ہوتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جدید دور کے جنوبی ایشیاء میں شیعہ سنی تعلقات کے بگاڑ اور فرقہ وارانہ تشدد کو ہوا دینے میں انفرادی سطح پر احسان الٰہی ظہیر کا کردار سب سے نمایاں ہے (Haykel, 2011: 191)۔ پاکستان کے شیعہ سنی تصادم پر کئے گئے تحقیقی مطالعات میں خلیجِ فارس سے آنے والے فکری اثرات کو کراچی سے پشاور تک فرقہ واریت پھیلانے کے بنیادی عامل کے طور پر پیش کیا گیا ہے(Ahmed, 2011)۔ لیکن سعودی عرب اور اس کے نیٹ ورک پر توجہ

مرکوز کر لینا، اگرچہ مقبول عام ہے، پاکستانی فرقہ واریت کی مقامی اور علاقائی جہتوں سے غافل کر دیتا ہے۔اس کے بجائے اس مقالے میں پاکستان کے تصورِ ریاست کی تشریحات کا متنازعہ ہونا موضوعِ بحث ہے، جو پاکستان میں فرقہ واریت پھیلانے میں اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے سلفی گروہوں کے سعودی عرب سے وابستہ مالی مفادات سے کہیں زیادہ حصہ دار ہے۔ پاکستان کے تصور اور مفہوم پر 1940ء کے عشرے میں بڑی گرم بحث ہوئی تھی۔ آزادی کے بعد اس ملک نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو معلق پایااور تجدید پسند مذہبی رہنما، روایتی مذہبی رہنمااور سیکولر رہنما سبھی اپنے اپنے تصورات کے مطابق ملک کوڈھالنے کی تگ ودو کرنے لگے(Zaman, 2018: 54 – 94)۔اس سیاسی بحث کی اہمیت کے تناظر میں 1979ء کے ایرانی انقلاب نے دیوبندی علماء کے اعصاب پر شدید دباؤڈالا، جو پاکستان کی عددی اعتبار سے بڑی سنی مذہبیت کی قیادت کرتے تھے۔ اچانک انہیں اسلامی سیاست کے ایسے بندوبست کا سامنا ہوا جو معلق و غیر واضح شکل میں نہیں تھا بلکہ ایک مکمل شکل اختیار کر چکا تھا۔ مختصر یہ کہ 1979ء کے بعد فرقہ واریت سعودی عرب سے وابستہ وہابی علماء، جو خالص اسلام اور شیعی اسلام میں اعتقادی عدمِ توافق پر زور دیتے تھے، سے دیوبندی سیاسی مہم جوؤں کو منتقل ہو گئی، جو شیعیت کو اپنے سیاسی عزائم کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے (Fuchs, 2019: 152– 185)۔

اگلے صفحات میں میری توجہ پاکستان کی سب سے اہم شیعہ دشمن جماعت، سپاہِ صحابہ، پر ہو گی۔اس کا قیام 1985ء میں ہوا تھا اور 2009ء سے اس جماعت نے اپنا نام ''اہلسنت والجماعت'' رکھ لیا ہے (Zaman, 1998; Abou Zahab, 2009)۔آجکل شاید یہ مستقیم طور پر شیعہ مخالف تشدد میں ملوث نہیں ہوتی لیکن تمام شیعہ دشمن تنظیموں میں سب سے زیادہ یہی تنظیم شیعوں کے خلاف حملوں کی فضا ہموار کرتی ہے۔ نیز بدنام زمانہ لشکرِ جھنگوی کے دہشتگردوں کے اس جماعت کے کارکنان کے ساتھ گہرے روابط ہیں، ایسے تعلقات کا واضح ترین اظہار 2012ء میں اس جماعت کی طرف سے

لشکرِ جھنگوی کے بانی رہنما ملک اسحاق (متوفی 2015ء) کو نائب صدر بنانا تھا (Mehmood, 2012)۔ میرا تجزیہ اس جماعت کی تین موئثر اور نمایاں آوازوں پر مرکوز ہے: اس جماعت کے سابقہ سربراہ علی شیر حیدری متوفی 2009ء، موجودہ چیئرمین محمد احمد لدھیانوی (Arshad, 2007) اور موجودہ مرکزی صدر اورنگزیب فاروقی (Hanafi, 2014a) ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک دیوبندی مدارس میں تربیت پانے والا مذہبی عالم ہے اور انہوں نے اپنی تمام تعلیم پاکستان میں ہی حاصل کی ہے۔

اپنے سابقہ مقالے (Fuchs, 2017b) میں پیش کردہ تحقیق پر بنیاد رکھتے ہوئے اس مقالے میں دو اہم نکات کو ثابت کروں گا۔

پہلا یہ کہ سعودی اور پاکستانی علماء کے فرقہ وارانہ استدلالات جداگانہ راہوں پر سفر جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان میں فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ سپاہِ صحابہ کیلئے فرقہ واریت کا سیاسی پہلو استدلال کی اہم بنیاد ہے۔ ایسا نہیں کہ مکتبی واعتقادی مسائل کو بنیادی اور حتمی اہمیت حاصل ہو اور سیاسی پہلو ایک اضافی حیثیت رکھتا ہو۔ اپنے سعودی رفقاء کے برعکس سپاہِ صحابہ کے رہنماؤں کی فکر محض بدلتے ہوئے جغرافیائی سیاسی حالات کا ردِ عمل نہیں ہے بلکہ پاکستان کی روح کو ایک نظریاتی سنی (دیوبندی) ریاست کے طور پر دیکھنا ان کا نصب العین ہے۔ یہی سیاسی مقصد ان کے ہاں شیعی علامات وتصورات کو اپنے مطابق ڈھالنے اور ان کی نقالی کرنے کے رجحان کی توجیہ کر سکتا ہے۔ سعودی عرب کے علماء کے ذہن میں یہ کام کرنے کا خیال بھی نہیں آ سکتا (Ismail, 2016: 12)۔

جہاں تک دوسرے نکتے کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ ان ہنگامی سیاسی ضروریات نے سپاہِ صحابہ کے علماء کو مجبور کیا کہ وہ اپنے مذہبی ورثے پر تجدیدِ نظر کریں اور مناظرانہ مواد میں تازگی پیدا کریں۔ مثال کے طور

پر انہوں نے صحابہؓ کی شان میں غیر معمولی غلو کیا، جو سنی روایت میں ایک بدعت تھی (Khalek, 2014)۔اس مبالغے کے نتیجے میں انہوں نے صحابہؓ کو شیعہ آئمہؑ کے مقابلے کی متعالی اور منصوص منَ اللہ شخصیات کے طور پر پیش کیا(Halm, 2004: 28–44)۔ اگلے مرحلے میں اسلام اور خلافت کے ایک مثالی نظامِ سیاست کے چوکیدار اور ضامنوں کے طور پر صحابہؓ کے منظم انداز میں دفاع کی سر گرمی نے دوررس اثرات مرتب کئے۔

مختصر یہ کہ پاکستان کی مثال جنوبی ایشیاء میں شیعہ سنی فرقہ واریت کو بڑھانے، یا اس کو امن و سلامتی کا مسئلہ بنانے میں سعودی عرب کے مرکزی کردار کے مفروضے پر سنجیدہ سوال کھڑے کرتی ہے۔ روایتی فکر یہ سمجھتی ہے کہ یہ عمل سعودی عرب کی نظریاتی اور مالی امداد کے سہارے ہو رہا ہے، جو کہ دنیا میں شیعہ ستیزی کا مرکز ہے (Vatanka, 2015: 175)۔ اگرچہ میں پسِ پردہ مالی امداد کے امکان کو رد نہیں کرتا، لیکن سعودیوں کی طرف سے پاکستان میں جو روابط قائم کئے گئے، خصوصاً پاکستانی اہل حدیث علماء کے ساتھ، وہ سب ایران میں انقلاب آنے سے پہلے قائم ہو چکے تھے اور ان کے پیچھے جغرافیائی سیاسی مقاصد کارفرما نہیں تھے۔ ان حلقوں میں جن خیالات کو پھیلایا گیا وہ قدیم شیعہ مخالف مناظرانہ استعاروں پر مبنی تھے اور ان میں اعتقادی اختلافات کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور وہ کسی قسم کے آشکارا سیاسی مواد سے بالکل پاک تھے۔ اہل حدیث گروہ کے سلفی حضرات کے برعکس سپاہِ صحابہ کے رہنما، جو 1980ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں سے فرقہ واریت کے منظر نامے پر غالب ہیں، پاکستان کے دیوبندی حلقوں میں مذہبی پیشوائی تک پہنچنے کیلئے سعودی پشت پناہی کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کی مقامی اردو زبان میں تقریروں کو نہ تو وسیع تر مشرق وسطیٰ کی فرقہ وارانہ ابحاث سے کوئی مماثلت ہے نہ ہی، جہاں تک میرے علم میں ہے، وہ عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مزید یہ کہ، جیسا کہ میں نے ایک اور مقام پر بھی ثابت کیا ہے، اس بات کا کوئی قابلِ توجہ ثبوت نہیں ہے کہ 1980ء کے افغان جہاد نے پاکستان میں

موجود فرقہ واریت کو فیصلہ کن انداز میں تبدیل کیا ہو۔ متعدد جہادی گروہوں کیلئے سعودی مالی اعانت کے باوجود، ان تنظیموں سے مربوط رسالے اور نشریات فرقہ وارانہ مواد سے پاک رہیں (Fuchs, 2017a)– آنے والے بند اندرونی تحفظات اور بیرونی اثرات میں کھینچاتانی کو مزید تفصیل سے بیان کریں گے۔

سپاہِ صحابہ کی فرقہ واریت میں سیاست کی فوقیت

احسان الٰہی ظہیر کیلئے شیعیت ایک نظری اور اعتقادی مسئلہ تھا۔ انکی کتب، چاہے 1979ء کے ایرانی اسلامی انقلاب سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، کوئی سیاسی پہلو نہیں رکھتیں۔ انہوں نے شیعہ سنی وحدت کے امکان کو عبث قرار دیا۔ انکے مطابق شیعہ اصحابِ رسولؐ کو غلطیوں سے پاک نہیں مانتے، ان پر تحریفِ قرآن کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے شیعہ آئمہؑ کی خلافت کا اعلان کرنے والی آیات مٹادیں (Brunner, 2019; Fuchs, 2019: 162–169)۔ اسلامی انقلاب کے بعد کے چالیس سالوں میں سعودی علماء کے شیعہ مخالف استدلالات انہی خطوط پر چلتے رہے ہیں۔ ان کی فرقہ وارانہ تبلیغات میں شیعوں کے اہلبیتؑ کو خدا کا شریک ٹھہرانے اور عبداللہ ابنِ سبا یہودی کی سازش ہونے جیسے روایتی الزامات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ سعودی علماء نے ایران کے نظامِ حکومت، یعنی ولایتِ فقیہ، کے سیاسی اثرات پر توجہ دینے سے گریز کیا ہے اور الٹا شیعیت پر اعتقادی نوعیت کے حملوں میں اضافہ کیا ہے(Ismail, 2016: 144–152, 157–162, 166–189)۔ اسماعیل کے بقول، سعودی عرب کی شیعہ مخالف نشریات میں ایرانی انقلاب کے بعد جو واحد نمایاں تبدیلی آئی وہ تقیہ کو نفاق قرار دینے پر زور دینا تھا۔ بالخصوص روایتی سعودی علماء، جو سعودی مذہبی ڈھانچے پر غلبہ رکھتے ہیں، نے سعودی شیعوں کو مکار اور سعودی قوم کا غدار کہنا شروع کیا، یہ چیز شروع کے سعودی علماء کے ہاں

نہیں ملتی (Ismail, 2016: 203)۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان علماء نے ایران کی صدورِ انقلاب کی مہم کے جواب میں ایک متبادل سیاسی منصوبہ وضع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس عدم رغبت کو سعودی معاشرے میں سیاسی مکالمے پر عائد شدہ قدغن کے اثر کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ وہاں ریاست نظامِ سیاست کے متبادل کی سوچ تو کیا بادشاہت پر کسی بھی قسم کی تنقید کا بھی مؤثر انداز میں قلع قمع کرتی ہے (Al–Rasheed, 2007: 59–101)۔

ان کے برعکس پاکستانی سپاہِ صحابہ کے علماء مسلکی اختلاف کو شیعہ عوام پر کئے جانے والے حملوں کیلئے سیاسی نصب العین کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور اپنے مسلکی مخالفین کو یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ ریاستِ پاکستان ک نظریاتی اساس (جو علامہ شبیر احمد عثمانی کے نظریہء پاکستان کے مطابق دیوبندی ہے) کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر سال نویں اور دسویں محرم کو شیعوں کا یہ ارادہ کھل کا سامنے آ جاتا ہے جب وہ اپنے تیسرے امام، حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی یاد مناتے ہیں، جو 680ء کو کربلا میں شہید کئے گئے۔ سنی فرقہ پرست رسالے کہتے ہیں کہ ان ایام میں پاکستان کے نشریاتی ادارے اور سماجی زندگی شیعہ رنگ میں رنگ جاتی ہے

(Husayn, 2014; Ta’aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–‘ayn, n.d: 15; Ahl–i Sunnat, 2014)۔

سپاہِ صحابہ کے مطابق عصرِ حاضر کے پاکستان میں سنی اکثریت اسی قسم کے امتیازی سلوک کا نشانہ بنی ہوئی ہے جو کفارِ مکہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھتے تھے (Ludhiyanvi, 2007c: 74)۔ ان کے بقول وہ ریاستِ پاکستان کی دہشتگردی کا شکار ہیں جو ایران کی پشت پناہی سے یہ کام کر رہی ہے (Siddiqi, 2014)۔ پاکستانی ریاست نے خلافتِ راشدہ کا نظام قائم کرنے کے

وعدے سے انحراف کر لیا ہے، جو اسکو موجودہ خرابیوں سے نجات دے سکتا تھا اور دنیا پر اسلام کے غلبے کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا

(Metro News, 2014: min. 01:15; Ta'aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–'ayn, n.d: 13–14)۔

انکے مطابق صاحبانِ حل و عقد الثاان لوگوں کے خلاف کاروائی کرتے ہیں جو صحابہؓ کو ایسے نظام کا نمونہ بتاتے اور صحابہؓ پر تنقید کا رد کرتے ہیں جو اس نظام کو مشکوک بناتی ہے (Haydari, 2010c: 53–54; Faruqi, 2014a: 24)۔ یہ تنظیم خود کو پاکستان میں فرقہ واریت کا سب سے بڑا شکار قرار دیتی ہے

(Faruqi, 2014b, 2018: min. 22:40; Ahl–i Sunnat, 2015; Fayyaz, 2015: min. 12:30)۔

لدھیانوی کے بقول صرف احتجاج پر قانع رہنے اور ریاست کے خلاف کوئی مسلحانہ اقدام نہ کرنے وجہ صرف یہ ہے کہ وہ پاکستان کو اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ انکا اپنے گھر کو آگ لگانے کا کوئی ارادہ نہیں کیونکہ وہ پاکستان کے اصلی وارث ہیں(Ludhiyanvi, 2007d: 224–225)۔

پاکستان میں مبینہ شیعہ سازشوں کا رد

اپنے سعودی رفقاء کی طرح پاکستانی فرقہ پرست علماء بھی شیعوں کے غدار ہونے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن یہ برائت آسان نہیں ہے: پاکستان میں شیعہ علماء بہت سے اہم مذہبی اہداف کے حصول میں سنی علماء کے

کے ساتھ ہراول دستہ بنے رہے ہیں۔ چنانچہ ایسے تمام کاموں کو تقیہ قرار دیا جاتا ہے، چاہے وہ تحریکِ پاکستان میں کردار ہو یا تحریکِ ختم نبوت ہو یا ذوالفقار علی بھٹو (متوفی 1978ء) کی بائیں بازو کی سیاست کی مخالفت ہو۔ دیوبندی اکابر کے اس مکارانہ چال میں پھنسنے کا کفارہ ایران کے انقلاب کے بعد اسکے خلاف مہم چلانے کو قرار دیا جاتا ہے۔ انکے مطابق تمام امتِ مسلمہ آیت اللہ خمینی کے خطرے کا ادراک کرنے میں ناکام رہی۔ سپاہِ صحابہ کی نشریات اس جوش و خروش کا ذکر کرتی ہیں جو 1979ء کے موسمِ بہار میں پوری اسلامی دنیا میں پایا جاتا تھا۔ ایرانیوں نے ''لاشرقیہ ولاغربیہ، لاشیعیہ ولاسنیہ، اسلامیہ اسلامیہ'' کا نعرہ لگا کر سب کو مسحور کر دیا تھا۔ ''بڑے اہلِ علم نے عقائدِ شیعہ کا پورا باب فراموش کر کے خمینی کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے'' (Ta'aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–'ayn, n.d: 6)۔ تاہم، سپاہِ صحابہ کے مطابق، سنیوں کی خوش قسمتی تھی کہ شیعوں نے کچھ غلطیاں کیں۔ شیعوں نے انقلابی جوش میں آ کر اپنی متعدد کتب کا پہلی بار ترجمہ کر کے ان کو عالمی سطح پر شائع کیا۔ اس طرح انہوں نے خود ہی اپنے چودہ سو سالہ تقیہ کے نقاب کو اتار پھینکا

(Ta'aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–'ayn, n.d: 7; Hassan, 2014: min. 02:50)۔

نتیجتاً سینکڑوں ایسی کتب اردو میں ترجمہ ہو گئیں جن میں صحابہؓ پر تنقید شامل تھی (Faruqi 2014a: 25)۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران نے 1980ء میں بننے والی (جنرل ضیاء کے نفاذِ اسلام کے منصوبے میں شیعوں کیلیئے) فقہ جعفریہ کے نفاذ کی تحریک کو استعمال کرنا شروع کر دیا جسے مبینہ طور پر ''آیت اللہ خمینی کے نظریات کے پرچار کیلیئے قائم کیا گیا تھا'' اور جو ''نظریۂ پاکستان اور اکثریتی سنی ملک کے عقائد کے خلاف تھی''

(Ta’aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–‘ayn, n.d: 7–8)۔

سپاہِ صحابہ اپنے بانی رہنما حق نواز جھنگوی کو اس سازشی چال کے خلاف عالمی سطح پر اقدام اٹھانے والا پہلا شخص قرار دیتی ہے، جسے واضح طور پر جنرل ضیاء الحق کے نفاذِ اسلام کے منصوبے سے طاقت ملی (Fuchs, 2019: 160–162)۔ اس کے مطابق اس جوان اور بہادر جہادی نے اسلام کے خلاف ایران کی بغاوت اور کفریہ نظریئے کا مقابلہ کرنے کی نیت سے پاکستان بھر میں جلسے منعقد کئے اور ایک مشکل کام کا بیڑہ اٹھایا۔ اسکے پیشرو تو صرف اپنے ہم عصر شیعہ علماء کا سامنا کرتے تھے جبکہ جھنگوی کو مبینہ طور پر ایک شیعہ ریاست کے تمام وسائل اور طاقت کے ہمہ جہتی دباؤ کا سامنا تھا

(Ta’aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–‘ayn, n.d: 8–9)۔

جھنگوی نے دہری حکمت عملی اپنائی۔ پہلے تو اس نے 1986ء میں ہی اپنے دائرۂ اثر کو ملک بھر میں پھیلایا۔ دوم اس نے اہلسنت کے تمام فرقوں کو دفاعِ صحابہ اور نفاذِ خلافت کے نام پر متحد کرنے کی اہمیت کو سمجھا اور اس تجربے کو باقی مسلمان ممالک میں دہرانے کی امید ظاہر کی

(Ta’aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–‘ayn, n.d: 9–10, 28–29)۔

سپاہِ صحابہ کے بقول اس کو جلد ہی کامیابی ملنے لگی اور وہ پاکستان کی سب سے بڑی مذہبی جماعت بن گئی، جو ہر حکومتی پابندی کے بعد دوبارہ ابھر آئی (Hanafi, 2014b)۔ سن 2000ء سے اسکے رہنماء صوفیانہ تعبیرات کا استعمال بھی کر رہے ہیں تاکہ یہ تاثر پیدا کر سکیں کہ خدا اسکے اہداف کی تائید کرتا ہے: خواب، جو آج کل کی مسلم ذہنیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں (Mittermaier, 2011)، بیان کئے جا رہے ہیں جن کے مطابق سپاہِ صحابہ کے سابقہ قائدین جنت کے باغات میں خصوصی نعمتوں سے

بہرہ ور ہو رہے ہیں(Ludhiyanvi, 2007a: 235; 2007c: 78–79)۔ماضی کی کامیابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے احمد لدھیانوی نے مجمع کو بتایا کہ کس طرح اس گروہ کے سابقہ رہنما اور رکنِ قومی اسمبلی اعظم طارق (متوفی 2003ء) نے 1994ء میں خود کو سپیکر کی کرسی تک پہنچایا اور ناموسِ صحابہ بل کی منظوری کا اعلان کیا جس کے مطابق صحابہؓ پر تنقید کی سزا موت ہو گی۔ اینڈریاس رائک کے مطابق یہ اس وقت ہوا جب اسمبلی کے اکثر ارکان حزبِ اختلاف کے ''غیر دستوری طرزِ عمل'' کے خلاف واک آوٹ کر چکے تھے(Rieck, 2015: 254)۔ لدھیانوی کا کہنا تھا کہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ باقی ارکانِ قومی اسمبلی کی طرف سے تالیاں بجائی گئیں اور حمایت کا اظہار کیا گیا ، جس سے پتا چلتا ہے کہ قومی اسمبلی اور عوام میں سپاہِ صحابہ کے فرقہ وارانہ اہداف کو خاموش اکثریت کی حمایت حاصل ہے(Ludhiyanvi, 2007a: 231–232)۔

پاکستانی فرقہ واریت کے سیاسی پہلو کی اولیت کے تناظر میں یہ نکتہ اجاگر کرنا ناگزیر ہے کہ سپاہِ صحابہ شیعوں اور ایرانی انقلاب کے تصورات اور علامتوں کو اپنے مقاصد کیلئے اپناتی رہی ہے تاکہ ان کا متبادل پیش کیا جا سکے(Zaman, 1998: 702–703)۔ جس طرح ایران میں آیت اللہ خمینی کے انقلابی لائحۂ عمل سے مضبوطی سے جڑنے والے خطِ امام کے پیرو کہلاتے ہیں (Reda, 2014)، سپاہِ صحابہ بھی اپنے کارکنوں کو مشنِ جھنگوی پر کاربند رہنے کی تلقین کرتی ہے (Ludhiyanvi, 2007c: 76; 2007b: 113)۔ وہ لوگ جو اپنی آمدنی کا تیسرا حصہ سپاہِ صحابہ کو دیں، ان کو خصوصی طور پر سراہا جاتا ہے۔ یہ ''سخاوت'' شیعوں کے خمس سے بڑھ کر ہے(Kalyanavi, 2014)، وہ رقم جو شیعہ حضرات نے مراجع کو دینی ہوتی ہے (Sachedine, 1980)۔اسی طرح ایرانی جمہوریہ کی مسحور کن تمثیلات کی نقالی کرنے کیلئے سپاہِ صحابہ کی طرف سے اپنے شہیدوں کی عزاداری کرنے کا رواج دیکھا جا سکتا ہے(Ahl-e-Sunnat Media Cell, 2019)۔

یہاں جس مثال کا ذکر بڑا بر محل ہے وہ جولائی 2007ء میں پاکستانی ریاست اور فوج کی اسلام آباد کی بدنامِ زمانہ لال مسجد میں موجود مسلح افراد، طلبہ اور علماء کے خلاف کاروائی کی یاد منانا ہے۔ سپاہِ صحابہ کو اس مدرسے اور اس کی قیادت کو، جو ہمیشہ شیعہ دشمن موقف اپناتی رہی تھی، اپنانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی(Blom, 2018)۔ اس واقعے، کہ جس میں سو کے قریب مسلح افراد مارے گئے تھے، کی برسی سے خطاب کرتے ہوئے علی شیر حیدری نے کہا کہ واقعہ کربلا، جو شیعی شناخت میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، بھی اس کے مقابلے میں دھندلا گیا تھا۔ کربلا میں اموی لشکر کے امام حسینؓ اور انکے ساتھیوں پر کئے جانے والے حملے سے زیادہ بچے اور عورتیں اسلام آباد میں قتل ہوئیں، جبکہ کربلا کے برعکس یہاں فرار کا راستہ بھی نہیں دیا گیا۔ جو لوگ لال مسجد میں محصور تھے ان کے پاس خوراک مہیا کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور وہ امرود کے پتوں پر گذارا کر رہے تھے(Ludhiyanvi, 2007e: 282)۔ اگرچہ کربلا میں امام حسینؓ اور انکے ساتھیوں پر تین دن کیلئے پانی بند کیا گیا، لال مسجد میں سات دن پانی بند رہا۔ امام حسینؓ کے برعکس لال مسجد والے شہادت سے پہلے غسل نہ کر سکے(Haydari, 2010b: 264)۔ کربلا میں حملہ ایک عام میدان میں ہوا جبکہ اسلام آباد میں لوگوں کو عبادت گاہ میں مارا گیا۔ چنانچہ اسلام آباد میں ہونے والا محاصرہ سختی، دکھ، پریشانی، قربانی اور ظلم و ستم کے اعتبار سے بے مثال تھا(Haydari, 2010b: 265)۔ ان خطوط پر بات کر کے علی شیر حیدری نے نہ صرف پاکستان میں ایک بنیادی سیاسی تبدیلی پر زور دیا بلکہ اس نے اپنے ساتھیوں کو کربلا والوں سے بلند تر مرتبے کے شہید قرار دے کر شیعیت کے دل پر حملہ کیا۔

صحابہؓ کی شان میں غلو

مسلکی امتیاز پر مبنی سنی (دیوبندی) ریاست کے مطالبے کو مزید پختہ کرنے کیلئے سپاہِ صحابہ سے منسلک علماء نے صحابہؓ کے بارے میں بے انتہا غلو کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ وہ ان کو خود رسولِ پاک محمد ﷺ سے بھی زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ ان فرقہ پرست علماء نے خود کو صحابہؓ کے غلام (عبد) قرار دیا، ایک ایسی اصطلاح جو وہابی علماء کیلئے ناقابل برداشت ہوتی(Haydari, 2010e: 177)۔ سپاہِ صحابہ کے رہنماؤں کے لئے صحابہؓ پیغامِ رسالت کے نور میں اضافہ بھی کرتے ہیں(Haydari, 2010e: 158)۔ صحابہؓ رسول اللہؐ تک جانے کیلئے لازمی پل کا کام کرتے ہیں کیونکہ کوئی مسلمان رسول اللہؐ سے ان کے واسطے کے بغیر اور مستقیم تعلق پیدا نہیں کر سکتا(Ludhiyanvi, 2007c: 82)۔ یہی اصول ان کیلئے کسی حدیث کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا معیار ہے۔ سپاہِ صحابہ کے لئے صرف وہی حدیث قابلِ قبول ہے جس پر صحابہؓ کا عمل کرنا ثابت ہو۔ اگر تاریخ میں آنے والے صحابہؓ کے اعمال کسی حدیث کے خلاف ہوں تو وہ حدیث ضعیف یا من گھڑت ہے(Haydari, 2010e: 168)۔ ایک بڑی مصیبت وہ حدیث ہے جو سنی صحاح کتب میں بھی پائی جاتی ہے اور اس پر شیعہ بہت زور دیتے ہیں۔ اس کے مطابق رسول اللہؐ نے اپنے بعد مسلمانوں کو ثقلین، یعنی قرآن اور اہلبیتؑ، سے متمسک رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس روایت کی بنیاد پر شیعوں کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کی صحیح تفسیر جاننے کیلئے آئمہٴ اہلبیتؑ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ حدیث کے مطابق قرآن و اہلبیتؑ ہمیشہ ساتھ ساتھ موجود رہیں گے(Bar-Asher, 1999: 93–98)۔ اس ''خطرے'' کو کم کرنے کیلئے علی شیر حیدری نے یہ دعویٰ کیا کہ خدا نے مسلمانوں کیلئے دو قبلے بنائے ہیں۔ ایک وہ کعبہ ہے جو مکہ میں ہے جو نماز کے رخ کو متعین کرتا ہے اور دوسرا قبلہ صحابہؓ ہیں کہ جن کی طرف رخ کر کے ہی مسلمان رسول اللہؐ کی اطاعت کر سکتے ہیں(Haydari, 2010a:

108–109)۔ رسول اللہؐ نے سارا دین اور اسکی ضروریات صحابہؓ کے پاس رکھ دیں اور انہوں نے اپنے سینوں کو قرآن سے بھر لیا(Haydari, 2010e: 169)۔ چنانچہ سپاہِ صحابہ کے لئے صحابہؓ ویسے ہی غیر معمولی مقام و مرتبے کے حامل ہو گئے جو شیعوں کے ہاں آئمہ اہلبیتؑ کو حاصل تھا۔ انکے الفاظ اور اقوال ہر مرض کا علاج اور ہر مسئلے کا حل قرار پائے

(Ta'aruf. . . Aghraz. . . Nasb al–'ayn, n.d: 34)۔

صحابہؓ کا اجتہاد ایسی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی آراء اور اعمال کا احترام ضروری ہے چاہے اسکی شرعی توجیہ آج کل کے مومنین کی سمجھ میں نہ آئے۔ انکے بقول صحابہؓ کے عمل کو قرآن کی متشابہ آیات سے بھی جوڑا جا سکتا ہے جن کو مسلمان پوری طرح سمجھے بغیر بھی خدا کا کلام مانتے ہیں(Kinberg, 1988)۔ جس طرح قرآن کی سب سورتیں اللہ کی آیات ہیں، صحابہؓ بطورِ مجموعی اللہ کی جماعت ہیں(Haydari, 2010d: 66–67)۔

اسطرح رسول اللہؐ، جن پر ایمان شیعوں اور سنیوں کیلئے مشترکہ ورثہ تھا، کے بجائے صحابہؓ کو ہدایت کا مرکز قرار دے کر انہوں نے شیعوں اور سنیوں کے درمیان مشترکات کو محدود تر کر دیا۔ سپاہِ صحابہ کا بظاہر خود کو اتحاد بین المسلمین کا علمبر دار کہنا عبث ہے جب وہ اہلبیتؑ، جو شیعوں کیلئے بہت عزیز ہیں، سے بھی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اہلبیتؑ کی شناخت کو بھی اپنی تنگ نظر سوچ کے مطابق بدلنے کی کوشش کی۔ ان فرقہ پرست علماء کیلئے اہلبیتؑ سے مراد امہات المومنینؓ ہیں۔ یہ موقف نہ صرف شیعوں بلکہ معتدل سنیوں کی تفسیر کے بھی خلاف ہے، جن کے مطابق اہلبیتؑ سے مراد دخترِ پیغمبر فاطمہؑ، انکے شوہر علیؑ اور انکے بیٹے حسنینؑ اور انکی اولاد ہے۔ اگرچہ اہلسنت میں ازواجِ نبیؐ کو اہلبیتؑ میں شمار کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن اہلبیتؑ کو ازواج نبیؐ سے مخصوص کرنے کی

مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں(Sharon, 1986)۔ پچھلے چند سالوں سے سپاہِ صحابہ کی توجہ حضرت عائشہؓ پر مرکوز ہے۔ وہی عصمت و پاکیزگی جو شیعہ اپنے آئمہؑ سے منسوب کرتے ہیں، یہ حضرت عائشہؓ سے کررہے ہیں۔ ان کو ایک ایسے مکمل مسلمان مجتھد کے طور پر پیش کیا جارہاہے جن سے مرد صحابہؓ بھی فتوے لینے کیلئے رجوع کرتے تھے(Faruqi, 2014a: 25)۔

صحابہؓ کا رتبہ اسقدر بڑھانے کے بعد اگلا مرحلہ ''دفاعِ صحابہ'' کو حق اور باطل کا معیار قرار دینا تھا۔ وہ لوگ جو صحابہؓ کے اس غیر معمولی تقدس کا دفاع کررہے تھے وہ اسلام کی قیمتی ترین تجلی اور اصلِ ایمان کے مدافع قرار پائے(Faruqi, 2014a: 18–19)۔ علی شیر حیدری کے بقول سپاہِ صحابہ کے کارکنان کو سارے دین کا چوکیدار سمجھا جانا چاہئیے(Haydari, 2010e: 175)۔ اس کا یہ مطلب لیا گیا کہ تاریخ میں جن لوگوں نے صحابہؓ کے افعال کا دفاع کیا تھا وہ نماز، حج اور کلمے جیسے اسلام کے لازمی ارکان کے مدافع بھی تھے۔ چنانچہ، سپاہِ صحابہ کے مطابق، دفاعِ صحابہ پاکستان میں چند دہائیاں پہلے بننے والی کسی تنظیم کا مسئلہ نہیں ہے(Haydari, 2010e: 176–177)۔ سپاہِ صحابہ نے یہ بیانیہ تشکیل دیا کہ خدا بھی اس سوچ کو قبول کرتا ہے اور اس سلسلے میں وہ سورۃ الفتح کی اٹھارویں آیت کو پیش کرتے ہیں جس کے مطابق خدا ان اہلِ ایمان سے راضی تھا جنہوں نے درخت کے نیچے پیغمبرِ اکرمؐ کی بیعت کی تھی۔ اسلامی مصادر کے مطابق یہ آیت 628ء میں نازل ہوئی۔ پیغمبرؐ اور انکے اصحابؓ کے ایک بڑے گروہ نے عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ جانا چاہا تھا مگر شہر میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ مکہ والوں کے لشکر سے بچ کر وہ صحرا میں ایک گاوں میں آرام کیلئے رکے اور اپنے دشمنوں سے مذاکرات کا آغاز کیا۔ اس دوران یہ افواہ پھیلی کہ انکے ایک سفیر عثمان ابن عفانؓ (متوفی 656ء)، جو بعد میں تیسرے خلیفہ بنے، مار دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہؐ نے اپنے ساتھیوں کو تجدیدِ بیعت کیلئے کہا تاکہ ان سے عہد لیں کہ وہ انکا فیصلہ قبول کریں گے(Watt, 2012)۔ تاہم اورنگزیب فاروقی نے اس کی انوکھی تفسیر کر ڈالی

(Görke, 1997)۔اس کے مطابق اس بیعت کا مرکزی نکتہ خونِ عثمانؓ کا انتقام لینا تھا۔اور چونکہ وہاں موجود اصحابؓ نے ایک صحابیؓ اور اسکی ناموس کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا، اللہ نے ان سے راضی ہونے کا اور ان کے جنتی ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ آج کے دور میں سپاہِ صحابہ پورے ایمان کے ساتھ پیغامِ رسالت کے اس اہم حصے پر عمل کر کے خدا کے خصوصی انعامات کی حقدار ٹھہرتی ہے(Faruqi, 2014a: 28–30)۔

اگر کوئی اس تنظیم کے ایسی شخصیات سے منسلک ہونے پر اعتراض کرے کہ جن کا موجودہ پاکستان سے بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا، تو سپاہِ صحابہ کے رہنما زور دے کر کہیں گے کہ کچھ صحابہؓ نے اس خطے میں قدم رکھا ہے جو قابلِ محسوس بھی ہے۔ محمد احمد لدھیانوی کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور علی شیر حیدری سندھ کے شہر خیر پور کے قریب سے گذرے جہاں وہ سڑک سے اتر کر ایک جگہ زیارت کیلئے گئے۔ انکا مقصد ایک قدیم قبرستان میں تین اصحاب رسولؐ کی قبور پر حاضری دینا تھا جو 711ء میں عربوں کی فتح سے پہلے اس علاقے میں آئے تھے۔ کچھ دن پہلے مقامی افراد ایک قبر کے قریب نئی قبر کھود رہے تھے کہ کچھ ایسے عجیب واقعات ہوئے جو وہ لوگ سپاہِ صحابہ کی قیادت کے علم میں لانا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے تو ان ''صحابہؓ'' کی قبور سے ایک میٹھی خوشبو آنا شروع ہوئی کہ جو پورے علاقے میں پھیل گئی۔ (پھر دیکھا گیا کہ) ان تینوں ''صحابہؓ'' کے اجسام، یہاں تک کہ کفن بھی، صحیح و سالم تھے۔ ایک مقامی شخص نے ایک ''صحابیؓ'' کے ماتھے کو چھوا تو اسے تازہ پسینہ محسوس ہوا جس کی خوشبو ایک ماہ تک اسکے ہاتھ سے آتی رہی (Ludhiyanvi, 2007b: 287–290)۔ سپاہِ صحابہ میں ان ''صحابہؓ'' کے مادی اجسام سے تمسک میں اہل قبور کے ساتھ ثقافتی تعلق کو سیاسی انسجام اور اخلاقی جواز کی بنیاد قرار دینے کی روایت کو قبول کرنے کا اظہار ہوتا ہے (Kugle, 2007: 60–68)۔ صحابہؓ کی تکریم میں محدود رہنے کی اس نئی ثقافت میں ملک کے شیعوں کیلئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی ہے۔

نتیجہ

پاکستان کے شیعہ دشمن عناصر کی سوچ 1970ء کی دہائی سے آگے بڑھ چکی ہے، جب مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والے احسان الٰہی ظہیر پاکستان آئے اور پر زور انداز میں شیعوں کو کافر قرار دینے کی مہم چلائی۔ سپاہِ صحابہ نے انہی خطوط پر کام کرنے اور قدیم مسلکی استعاروں کو استعمال کرنے کے بجائے فرقہ واریت کو ایک نیا اور اچھوتا رنگ دیا جو سعودی (یا مقامی) مذہبی رہنماؤں کے مناظرانہ بحث کے انداز سے مختلف ہے۔ اس تنظیم سے تعلق رکھنے والے علماء نے شیعوں کے وجود کو ملک کے بنیادی سیاسی نظریئے، جو انکی نظر میں اسلام کے عالمگیر غلبے سے عبارت ہے، کیلئے نقصان دہ قرار دیا۔ اپنے استدلال کو قوی تر بنانے کیلئے وہ دودھاری تلوار کو استعمال کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ صحابہؓ کے بارے میں غلو کرتے ہوئے ان کو شیعیت میں آئمہؑ کے مقابلے پر لے آتے ہیں اور دوسری طرف وہ اپنا پورا زور اس بات پر لگا دیتے ہیں کہ صحابہؓ کا دفاع تمام مذہبی فرائض کا محور ہے۔ جنوبی ایشیاء اور مشرقِ وسطی میں پیدا ہونے والے ان مسلکی اور سیاسی نظریات کا گٹھ جوڑ ایسی سماجی حرکت پیدا کرتا ہے جو شیعہ سنی قربت کے امکانات کو بہت کم کرتی جارہی ہے۔ ایک بار ان خیالات کو ایک بدیہی حقیقت کے طور پر قبول کر لیا گیا تو ان کا توڑ کرنا بہت مشکل ہوگا۔

اس مقالے میں فرقہ واریت کے بیانئے کی مختلف پرتوں میں موجود فرق کو نمایاں کرنے کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے، جو پہلی نظر میں ایک جیسی لگتی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ علاقہ بدلنے سے یہ سوچ تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ شیعوں کی تکفیر(Friedmann, 2003: 54–86, 121–159) ایک مشترکہ ہدف ہے لیکن سعودی اور پاکستانی علماء کا طرزِ عمل فیصلہ کن انداز میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لہذا میرا یہ ماننا ہے کہ پاکستان میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے میں سعودی عرب کے کردار کو

بڑھا چڑھا کر پیش کرنا حقیقت سے دور کر دیتا ہے۔ پاکستان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں شیعوں کا حق دبانے کیلئے کام کرنے والا دیوبندی نیٹ ورک سعودی عرب کی مالی یا نظریاتی امداد کا محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ وہ سعودی عرب کی طرف سے آنے والے سلفی خیالات کو اپنانے کیلئے تیار ہیں، وہ عقیدتی مناظروں تک محدود نہیں رہتے۔ لہٰذا پاکستان میں شیعہ مخالف فرقہ واریت محض جنوبی ایشیاء کے میدان میں لڑی جانے والی سعودی عرب اور ایران کی پراکسی وار نہیں، بلکہ اس کا مقامی پہلو زیادہ اہم ہے۔

عقیدتی اختلافات کے غلبے کے مفروضے کو چھوڑ کر فرقہ واریت کے سیاسی پہلو کو سمجھنے کے لئے مزید مطالعات کی ضرورت ہے۔ ایسے کئی ممکنہ موضوعات موجود ہیں جو ان پہلوؤں کے حوالے سے مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیاء کے تقابلی جائزے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر داعش نے آخری زمانے کے بارے میں آنے والی روایات کو سیاسی چہرہ دے کر دنیا بھر سے جہاد کے شوقین افراد کو شام میں جمع کر لیا(McCants, 2015: 99–119)۔ لیکن آخری زمانے کو قریب لانا اور امام مہدیؑ کے آنے کیلئے میدان ہموار کرنے کا تصور تو شیعی فکر میں زیادہ نمایاں رہا ہے(Ourghi, 2009)۔ اسکے برعکس سپاہِ صحابہ اس قسم کے خیالات کو اپنانے سے بالکل الگ رہی ہے۔ الٹا ان کے فوت شدہ رہنما پیچھے رہ جانے والوں کو خوابوں میں یہ کہتے نظر آئے کہ وہ جنت جانے کی نسبت پاکستان میں شیعہ مخالف جہاد کو زیادہ پسند کرتے ہیں(Ludhiyanvi, 2007c: 79)۔ یوں سپاہِ صحابہ کی توجہ دنیاوی زندگی کے معاملات پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پاکستان کو اپنی تعبیر کے مطابق ڈھالنے میں کس قدر دلچسپی رکھتے ہیں؟ یہ داعش سے بالکل مختلف سوچ ہے، داعش تطہیرِ مسلک کے معاملے میں اپنے سلفی کٹرپن کا کھل کر اظہار کرتی ہے اور مسلح جدوجہد کے ذریعے روایتی سیاسی مراتب کے اعتبار سے ترقی کرنا چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقِ وسطیٰ، خلیج فارس اور جنوبی ایشیاء میں فرقہ وارانہ نظریات کا دقیق مطالعہ اس پہلو کو بھی سامنے لائے گا کہ یہ نسلی برتری کے نظریات سے کس قسم کا تعلق رکھتے ہیں؟

سعودی علماء اکثر ایران کے خلاف خدا کے عربوں کو افضل قرار دینے دینے کا استدلال پیش کرتے ہیں(Ismail, 2016: 206)۔پاکستانی فرقہ واریت کے بیانئے سے یہ استدلال بالکل غائب ہے، جس کی وجہ واضح ہے۔

تحقیق کا یہ میدان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فرقہ واریت کے عاملین کے فکری مواد کو سنجیدگی سے لیا جائے، جیساکہ میں نے اس مقالے میں کوشش کی ہے۔ کس طرح یہ فرقہ پرست گروہ اپنااستدلال کھڑا کرتے ہیں، کیسے کسی کو غیر قرار دے کر اس کے خلاف اجنبیت کی فضا بناتے ہیں، زیادہ توجہ کا مستحق ہے۔ اس کو محض مادی مفادات، مثلاً طاقت اور نفوذ، کے حصول کیلئے پانی گدلا کرنے کی کوشش نہیں کہا جا سکتا۔ علاقائی سیاست کے اثرات کو بھی مقامی بیانیے کی روشنی میں ہی سمجھنا بہتر ہو گا، جو فرقہ وارانہ سوچ کے مخاطبین کیلئے معنی رکھتا ہے۔

References

1. Abou Zahab, M. (Year: 2009) The SSP: Herald of militant Sunni Islam in Pakistan, in L.Gayer and C.Jaffrelot (eds) Armed Militias of South Asia: Fundamentalists, Maoists and Separatists, New York: Columbia University Press.
2. Ahl-i Sunnat (Year: 2014) Sarkari TV par sahabah-i kiram ki gustakhi lamhah-i fikriyya, 13–20 November, 2.

3. Ahl-i Sunnat (Year: 2015) Dahshatgirdi ke khilaf action men insaf lazimi he, 9–15 January, 2.
4. Ahl-e-Sunnat Media Cell (Year: 2019) Shuhada Day 2019', 13 April, www.youtube.com/watch?v=0laNUh3Vbbs.
5. Ahmed, K. (Year: 2011) Sectarian War. Pakistan's Sunni-Shia Violence and its Links to the Middle East, Karachi: Oxford University Press.
6. Al-Rasheed, M. (Year: 2007) Contesting the Saudi State: Islamic Voices from a New Generation, Cambridge: Cambridge University Press.
7. Arshad, M.N. (Year: 2007) Maulana Muhammad Ahmad Ludhiyanvi madda zillahu (khandani o jama'ati halat-i zindagi par ek nazar), in M.N.Arshad (ed) Sada-yi Ludhiyanvi, Ahl-i Sunnat wa-l-Jama'at, Kamaliyyah.
8. Bar-Asher, M.M. (Year: 1999) Scripture and Exegesis in Early Imāmī-Shiism, Leiden: Brill.
9. Blom, A. (Year: 2010) Changing religious leadership in contemporary Pakistan: the case of

the Red Mosque, in S.M.Lyon and M.Bolognani (eds) Pakistan and Its Diaspora. Multidisciplinary Approaches, New York: Palgrave Macmillan.

10. Brunner, R. (Year: 2019) Die Schia und die Koranfälschung, 2nd edn, Wiesbaden: Harrasowitz.
11. Dastavezi film: ‘Allamah ‘Ali Sher Haydari, shahid-i namus-i sahaba (Year: 2011) Karar Productions, 30 October, www.youtube.com/watch?v=KSfswxASxLA. .
12. Farquhar, M. (Year: 2016) Circuits of Faith. Migration, Education, and the Wahhabi Mission, Stanford, CA: Stanford University Press.
13. Faruqi, A. (Year: 2014a) Difa‘-i sahabah kiyun zaruri he?, Kulaci: Jarvar Academy Pakistan.
14. Faruqi, A. (Year: 2014b) Mufti Munir Mu‘aviyah shahid ke mazlumanah qatl, 5 January, www.dailymotion.com/video/x19c9o6_allama-ghazi-aurangzeb-farooqui-s-speech-against-sunni-killing-in-pakistan-at-karachi-press-club-on_tv.

15. Faruqi, A. (Year: 2018) Maulana Aurangzeb Farooqi latest Speech - Jamia Hyderia | 4 May 2018 |, https://www.youtube.com/watch?v=5iem8Dyw6As.
16. Fayyaz, M. (Year: 2015) Doctor Muhammad Fayyaz shahid, akhiri taqrir, 22 February 2015, www.youtube.com/watch?v=BADzaw7dLyQ.
17. Friedmann, Y. (Year: 2003) Tolerance and Coercion in Islam. Interfaith Relations in the Muslim Tradition, Cambridge: Cambridge University Press.
18. Fuchs, S.W. (Year: 2017a) Glossy global leadership: unpacking the multilingual religious thought of the Jihad, in NGreen (ed) Afghanistan's Islam: From Conversion to the Taliban, Oakland, CA: University of California Press.
19. Fuchs, S.W. (Year: 2017b) The long shadow of the state: the Iranian Revolution, Saudi influence, and the shifting arguments of anti-Shi'i sectarianism in Pakistan, in L.Louër and

C.Jaffrelot (eds) Pan-Islamic Connections: Transnational Networks between South Asia and the Gulf, London: Hurst.

20. Fuchs, S.W. (Year: 2019) In a Pure Muslim Land. Shi‘ism between Pakistan and the Middle East, Chapel Hill, NC: University of North Carolina Press.
21. Görke, A. (Year: 1997) Die frühislamische Geschichtsüberlieferung zu Ḥudaibiya, Der Islam, 74: 193–237.
22. Halm, H. (Year: 2004) Shi‘ism. New York: Columbia University Press.
23. Hanafi, T.M. (Year: 2014a) ‘Allamah Ghazi Aurangzeb Faruqi hamdard se le kar markazi sadr tak, Ahl-i Sunnat, 13–19 November, 2.
24. Hanafi, T.M. (Year: 2014b) Firqah varanah dahshatgirdi – sabab aur tadaruk, Ahl-i Sunnat, 11–17 December, 2.
25. Hassan, S. (Year: 2014) Clean chit with Aurangzaib Farooqui (A.S.W.J.), AbbTakk News, 22 February, www.dailymotion.com/video/x1d5o40_allama-

ghazi-aurangzaib-farooqui-s-explain-objectives-of-sipah-e-shaba-in-clean-chit-on-abbtakk-news_news.

26. Haydari, A.S. (Year: 2010a) ‘Ibadat ka qibla bayt Allah aur ita‘at ka qibla sahaba kiram, in M.N.Qasimi (ed) Javahirat-i Haydari, Karachi: Idarat al-Anwar.
27. Haydari, A.S. (Year: 2010b) Karbala-yi Lal Masjid, in M.N.Qasimi (ed) Javahirat-i Haydari, Karachi: Idarat al-Anwar.
28. Haydari, A.S. (Year: 2010c) Payghambar-i inqilab, in M.N.Qasimi (ed) Javahirat-i Haydari, Karachi: Idarat al-Anwar.
29. Haydari, A.S. (Year: 2010d) Qur‘an aur sahib-i qur‘an, in M.N.Qasimi (ed) Javahirat-i Haydari, Karachi: Idarat al-Anwar.
30. Haydari, A.S. (Year: 2010e) Shan-i ahl-i bayt, in M.N.Qasimi (ed) Javahirat-i Haydari, Karachi: Idarat al-Anwar.
31. Haykel, B. (Year: 2011) Al-Qa‘ida and Shiism, in A.Moghadam and B.Fishman (eds) Fault Lines in

Global Jihad: Organizational, Strategic and Ideological Fissures, Oxford: Routledge.

32. Husayn, ‘U. (Year: 2014) Noha aur matam... haqiqat ka asl-i rukh, Ahl-i Sunnat, 7–13 November, p 2.
33. Ismail, R. (Year: 2016) Saudi Clerics and Shi‘a Islam, New York: Oxford University Press.
34. Jones, J. (Year: 2011) Shi‘a Islam in Colonial India: Religion, Community, and Sectarianism, Cambridge: Cambridge University Press.
35. Kalyanavi, I.Z. (Year: 2014) Parvane sahaba razi Allah ‘anhum ke hafiz ‘Abd al-Rahman Bandhani shahid rahimmahu Allah, Ahl-i Sunnat, 11–17 December, 2.
36. Khalek, N. (Year: 2014) Medieval biographical literature and the companions of Muḥammad, Der Islam, 91(2): 272–94. doi: 10.1515/islam-2014-0012
37. Kinberg, L. (Year: 1988) Muḥkamāt and Mutashābihāt (Koran 3/7): implications of a Koranic pair of terms in medieval exegesis,

Arabica, 35(2): 143–72. doi: 10.1163/157005888X00314

38. Kugle, S. (Year: 2007) Sufis & Saints' Bodies. Mysticism, Corporeality & Sacred Power in Islam, Chapel Hill, NC: The University of North Carolina Press.
39. Ludhiyanvi, M.A. (Year: 2007a) A‘zam Tariq shahid o ummi ‘A'isha, in M.N.Arshad (ed), Sada-yi Ludhiyanvi, Kamaliyya: Ahl-i Sunnat wal-l-Jama‘at.
40. Ludhiyanvi, M.A. (Year: 2007b) Khatm-i nubuvvat o difa‘-i sahabah, in M.N.Arshad (ed) Sada-yi Ludhiyanvi, Kamaliyya: Ahl-i Sunnat wal-l-Jama‘at.
41. Ludhiyanvi, M.A. (Year: 2007c) Mahbub-i Subhani, in M.N.Arshad (ed) Sada-yi Ludhiyanvi, Kamaliyya: Ahl-i Sunnat wal-l-Jama‘at.
42. Ludhiyanvi, M.A. (Year: 2007d) Maulana Muhammad A‘zam Tariq, in M.N.Arshad (ed) Sada-yi Ludhiyanvi, Kamaliyya: Ahl-i Sunnat wal-l-Jama‘at.

43. Ludhiyanvi, M.A. (Year: 2007e) Sanihah-i Lal Masjid aur akabirin ki zimmahdari, in M.N.Arshad (ed) Sada-yi Ludhiyanvi, Kamaliyya: Ahl-i Sunnat wal-l-Jama'at.
44. Metro News (Year: 2014) Maulana Aurangzeb Faruqi se Do Talk ki guftigu, 15 December, viewed on 06 November 2019, https://www.youtube.com/watch?v=suKjhAY4jTQ.
45. McCants, W. (Year: 2015) The ISIS apocalypse. The History, Strategy, and Doomsday Vision of the Islamic State, New York: St. Martin's Press.
46. Mehmood, R. (Year: 2012) Malik Ishaq made vice president of banned ASWJ, The Express Tribune, 18 September, http://tribune.com.pk/story/438715/road-to-peace-ishaq-made-vice-president-of-banned-aswj..
47. Mittermaier, A. (Year: 2011) Dreams That Matter. Egyptian Landscapes of the Imagination, Berkeley, CA: University of California Press.

48. Ourghi, M. (Year: 2009) 'Ein Licht umgab mich…' – Die eschatologischen Visionen des iranischen Präsidenten Maḥmūd Aḥmadīnežād, Die Welt des Islams, 49: 163–80. doi: 10.1163/157006009X444307.
49. Qasim, M.N. (Year: 1998) Hayat-i A'zam Tariq. Maulana Muhammad A'zam Tariq ke mufassil halat-i zindagi, Faysalabad: Isha'at al-Ma'arif.
50. Reda, L.A. (Year: 2014) Khatt-e Emam: the Followers of Khomeini's line, in A. Adib-Moghaddam (ed) A Critical Introduction to Khomeini, Cambridge: Cambridge University Press.
51. Rieck, A. (Year: 2015) The Shias of Pakistan. An Assertive and Beleaguered Minority, London: Hurst.
52. Sachedina, A. (Year: 1980) Al-Khums: the fifth in the Imāmī Shīʿī Legal System, Journal of Near Eastern Studies, 39(4): 275–89. doi: 10.1086/372828.

53. Sharon, M. (Year: 1986) Ahl al-Bayt – people of the house, Jerusalem Studies in Arabic and Islam, 8(1): 169–84.
54. Siddiqi, M.M. (Year: 2014) Sanihah-i Peshawar aur liberal soc, Ahl-i Sunnat, 26 December 2014–3 January 2015, 2.
55. Ta‘aruf… Aghraz… nasb al-‘ayn… Ahl-i Sunnat wa-l-Jama‘at kya cahti he? (Year: n.d.) Sha‘bah-i nashr o isha‘at-i Ahl-i Sunnat wa-l-Jama‘at, Islamabad.
56. Vatanka, A. (Year: 2015) Iran and Pakistan. Security, Diplomacy and American Influence, London: Tauris.
57. Watt, W.M. (Year: 2012) al-Ḥudaybiya, in P.Bearman, Th.Bianquis, C.E.Bosworth, E.van Donzel and W.P.Heinrichs (eds) Encyclopaedia of Islam, 2nd edn, Leiden: Brill, doi: 10.1163/1573-3912_islam_SIM_2922.
58. Zaman, M.Q. (Year: 1998) Sectarianism in Pakistan: the radicalization of Shi‘i and Sunni identities, Modern Asian Studies, 32(3): 689–716. doi: 10.1017/S0026749X98003217

59. Zaman, M.Q. (Year: 2018) Islam in Pakistan. A History, Princeton, NJ: Princeton University Press.